اصلاحِ نفس

کیوں اور کیسے؟

تالیف
عبداللہ بن عبدالعزیز العیدان

ترجمہ وتخریج
عبداللہ یوسف ذہبی

اصلاحِ نفس
کیوں اور کیسے؟
تالیف
عبداللہ عبدالعزیز العیدان
ترجمہ وتخریج
عبداللہ یوسف ذہبی
دار الابلاغ
Dar-ul-Aeblagh

اصلاحِ نفس

کیوں اور کیسے؟

تالیف
عبداللہ بن عبدالعزیز العیدان

ترجمہ وتخریج
عبداللہ یوسف ذہبی

سرورق .... عبدالوسایہ

تزئین .... حافظ آصف رشید

پروف ریڈنگ .... محمد آصف عثمانی

فہرست

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دین فطرت ہے، پوری انسانیت کے لیے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی جس طرح تمام ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے پورا کیا ہے اسی طرح ان کے تمام مسائل کا حل بھی بیان فرمایا ہے، دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لیے ایک مکمل نظام دیا ہے، اس نظام کے تحت سب سے پہلے ہر فرد کی ذاتی اصلاح پھر اس کے بعد گرد و پیش یعنی اس کے گھر والوں، حلقہ احباب اور عزیز و اقارب کی اصلاح، اسی انداز سے جب ایک معاشرہ کی اصلاح ہو جائے گی تو گویا تمام معاشروں کی اصلاح ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم : ٦]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهِ))

”خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں ہر ایک سے اس کی رعایا

کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔"

زیر نظر کتاب اصلاح نفس معروف عرب عالم دین عبد اللہ بن عبد العزیز العیدان کی کتاب" التربیة الذاتیة" کا ترجمہ وتسہیل ہے، جس میں مصنف موصوف نے اصلاح نفس کے حوالہ سے کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائی ہے اور فاضل دوست عبد اللہ ذہبی ﷾ نے اس کی ترتیب وتسہیل اور تخریج کر کے اسے قارئین کے لیے مزید مفید بنا دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی محنت قبول فرما کر ان کے لیے صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

کتاب میں اصلاح نفس کی اہمیت و ضرورت، اس سے غفلت اور لاپرواہی کے اسباب، اصلاح کے طریقے اور آخر میں اصلاح نفس کے فوائد وثمرات کو بڑے احسن انداز سے ترتیب دیا گیا ہے۔

ادارہ دار الاندلس اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قارئین کے لیے باعث اصلاح اور دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محتاجِ دعا

محمد رمضان اثری

۱۶ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی أَشْرَفِ الْأَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

مسلمان بھائیو اور بہنو!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام جیسی بہترین اور عظیم نعمت سے نوازا ہے اور ہمیں دنیا کے کروڑوں لوگوں میں سے مسلمان بنایا ہے۔

تو کیا ہمارے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم صرف اسلام کے بنیادی ارکان اور فرائض ہی کو ادا کریں اور ساری زندگی صرف اسی پر اکتفا کریں؟ یا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنا علمی، ایمانی اور اخلاقی معیار بلند کرنے میں کوشاں رہیں؟

- ان مختلف پہلوؤں سے ہمارے معیارِ زندگی کی بلندی کا ذمہ دار کون ہے؟
- کیا والدین ہیں؟ دوست احباب ہیں؟ خاندان ہے یا میڈیا اس کا ذمہ دار ہے؟
- کیا انسان بذاتِ خود اس کا ذمہ دار ہے؟
- اگر ہم اپنی تربیت اور اصلاح میں کامیاب ہو جائیں تو دنیا و آخرت میں اس کے کیا فوائد و ثمرات اور نتائج مرتب ہو سکتے ہیں؟

اللہ کی توفیق سے آئندہ آنے والی سطروں میں ایسے ہی بے شمار سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

عبداللہ بن عبدالعزیز العیدان

اصلاحِ نفس کا مطلب

کوئی سائل یہ پوچھ سکتا ہے کہ اصلاحِ نفس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاحِ نفس ان مختلف تربیتی طریقوں کا نام ہے جن سے استفادہ کر کے ایک مسلمان اپنی ذات کو علمی ، ایمانی ، اخلاقی اور سماجی حیثیت سے اسلامی شخصیت بنا سکتا ہے اور خود کو ایک اچھا مسلمان بنانے میں ترقی کے مراتب طے کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کا مختلف طریقوں سے زندگی کے مختلف گوشوں میں خود اپنی تربیت کرنے کا نام اصلاحِ نفس ہے۔

اس معنی میں یہ اس اجتماعی یا عام تربیتی کاموں کے بالمقابل ہے جسے وہ دوسروں کے ساتھ مل کر انجام دیتا ہے، یا جن کے ساتھ وہ خود تربیت پاتا ہے، جیسے مسجد، خاندان، مدرسہ، ذرائع ابلاغ، رفاقتِ سفر، نیک لوگوں کی ملاقات اور دیگر متعدد سرگرمیاں اور پروگرام۔ ان سب چیزوں سے ایک مسلمان بہت کچھ سیکھتا ہے اور ان کا اثر اس کی ذات، رویے اور کردار پر بڑا گہرا ہوتا ہے۔

اصلاحِ نفس کی اہمیت

اصلاحِ نفس کے مختلف طریقوں اور اس کے فوائد وثمرات کی وضاحت سے پہلے اس کی اہمیت اور ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے اس کی ضرورت واضح کر دینا ضروری ہے، تاکہ اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کی پابندی کرنے میں ہمارے لیے رغبت کا سامان پیدا ہو، خصوصاً دورِ حاضر میں جس قدر فتنوں کا دور دورا ہے، خود کو ان فتنوں سے بچا کر اپنی اصلاح کرنا بے حد ضروری ہے۔

اصلاحِ نفس کی ایک مسلمان کے لیے اہمیت درج ذیل پہلوؤں سے عیاں ہوتی ہے:

۱۔ خود اپنی حفاظت غیروں کی حفاظت سے مقدم ہے

مسلمان اپنی اصلاح کر کے ہی حقیقت میں اللہ کے عذاب اور جہنم کی آگ سے بچاؤ کا سامان کرسکتا ہے اور بلا شبہ خود اپنا بچاؤ دوسروں کے بچاؤ پر بالکل اسی طرح مقدم ہے جیسے خدانخواستہ اگر کسی جگہ آگ لگ جائے تو سب سے پہلے آدمی خود اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتا ہے اور اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے بعد دوسروں کو بچانے کا سوچتا ہے۔ اسی بات کی تاکید اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

[التحريم: ٦]

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔"

علامہ ابن سعدی رحمہ اللہ نفس کو بچانے کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نفس کو اللہ کے اوامر کی بجا آوری، اور اس کے منہیات سے اجتناب کا پابند بنانا، اللہ کو ناراض کرنے والی اور جہنم واجب کرنے والی چیزوں سے توبہ کرنا۔"

[تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنان، ص ٨٠٩]

یہی اصلاحِ نفس کا معنی اور اس کی غرض و غایت ہے۔

۲۔ اگر آپ خود اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟

جب انسان پندرہ بیس سال کا یا اس سے زیادہ عمر کا ہو جائے تو اس کی اصلاح کون کرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اپنی اصلاح خود نہیں کرے گا تو کوئی بھی اس کی اصلاح نہیں کرسکتا، اور نہ کوئی چیز اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے، کیونکہ والدین خصوصاً اور دیگر لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ وہ اب سمجھ دار ہو چکا ہے اور اپنی مصلحت خود بہتر سمجھتا ہے، اسے اپنے

لیے اچھے برے کی پہچان ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آج کل کی مصروف زندگی میں لوگوں کے ذاتی مسائل اور مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ کسی کے پاس دوسروں کے لیے اتنا وقت ہی نہیں ہے۔ دوسرے لوگ تو ایک طرف رہے والدین کے پاس اپنی اولاد کی تربیت کے لیے بھی وقت نہیں ہے، لہٰذا اگر وہ خود اپنی تربیت نہیں کرے گا تو اطاعت و فرمانبرداری کے مواقع ضائع ہوتے جائیں گے، وقت گزرتا جائے گا، عمر ڈھلتی جائے گی اور وہ اپنی کوتاہیوں کا تدارک نہیں کر پائے گا، یا اپنے گمشدہ بشری کمال کے لیے کوشش کرنے میں ناکام رہے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ موت کے وقت اور قیامت کے روز افسوس کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ [التغابن: ۹]

''جس دن اللہ تم سب کو اس جمع ہونے کے دن جمع کرے گا، وہی ہار جیت کا دن ہے۔''

۳۔ ہر کسی کو اپنا اپنا حساب دینا ہے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا فرداً فرداً حساب لے گا، اجتماعی نہیں، یعنی ہر شخص اپنا اور اپنے اچھے برے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا اور تن تنہا اس کا محاسبہ ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی شور مچائے کہ دوسرے لوگ بھی اسے گمراہ کرنے، اس کی کوتاہی و لاپروائی اور اس کے انحراف کا سبب تھے، اس لیے ان کا محاسبہ بھی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ [مریم: ۹۵]

''یہ سب قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝﴾

[الاسراء: ۱۴،۱۳]

''ہم نے ہر انسان کا نصیب اس کے گلے لگا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے اس کا نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا، لے خود ہی اپنی کتاب پڑھ لے، آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے۔''

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَيُكَلِّمُهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَيْسَ بَيْنَ اللَّهِ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ)) [صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب،ح:٦٥٣٩ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولوبشق تمرة،ح:١٠١٦]

''تم میں سے ہر ایک سے اس کا رب براہِ راست گفتگو کرے گا، اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی مترجم نہیں ہوگا۔''

چنانچہ جس شخص نے اپنی حقیقی تربیت کی اور اپنی اصلاح کی کوشش کی، ان شاء اللہ اس کے لیے حساب آسان ہو جائے گا اور وہ بفضل الٰہی، عذاب سے چھٹکارا پا جائے گا۔

۴۔ انسان خود کو بدلنے پر زیادہ قادر ہے

کوئی بھی انسان گناہوں اور خطاؤں سے محفوظ نہیں، یہ الگ بات ہے کہ کوئی گناہ زیادہ کرتا ہے تو کوئی کم کرتا ہے۔ جب معاملہ اس قدر یقینی ہے تو گناہوں کے مضبوط ہونے سے پہلے اور دل میں ان کے جگہ پکڑنے سے پہلے ان کا علاج ضروری ہے۔ انسان اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی مکمل اور دائمی اصلاح اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک اصلاحِ نفس کے طریقوں کو اپنا کر اس مشکل کو حل نہیں کرے گا، کیونکہ وہ خود کو بہتر جانتا ہے اور اس کے اسرار و رموز کی اسے زیادہ معرفت ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

﴿بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝﴾ [القيامة: ١٤]

''بلکہ انسان خود اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔''

اس لیے اگر وہ اپنی اصلاح کرنا چاہے تو خود کو عمدہ اخلاق اور خاص نہج پر چلانے کی دوسروں سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

۵۔ اصلاحِ نفس ثابت قدمی و استقامت کا ذریعہ ہے

اصلاحِ نفس مسلمان کے لیے تا دمِ حیات ایمان و ہدایت پر ثابت قدم رہنے کا اولین ذریعہ ہے اور ان فتنوں اور فسادات سے مقابلہ کرنے کا پہلا دفاعی قدم ہے جو دورِ حاضر میں مسلمانوں کی بیخ کنی کر رہے ہیں اور اسے صراطِ مستقیم سے منحرف کر کے اس میں کمزوری و سستی پیدا کر رہے ہیں۔ جس شخص نے خود کو تربیت اور اصلاح کی بھٹی سے گزارا ہو گا یہ فتنے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اصلاحِ نفس کی مثال ایک درخت کی سی ہے جس کی جڑیں جس قدر زمین میں پھیلی ہوئی ہوں گی طوفانوں اور ہواؤں کے سامنے اتنا ہی وہ ثابت اور جما رہے گا۔

۶۔ اصلاحِ نفس دعوت میں سب سے مؤثر چیز ہے

ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنے علم و استطاعت کے مطابق اللہ کی جانب دعوت دینے والا، مصلح و معلم اور رہنما و مربی ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ [آل عمران : ۱۱۰]

"وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت و اصلاح) کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

ہر داعی اور مبلغ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان مقبول ہو اور اس کی دعوت کا لوگوں پر اثر ہو۔ لوگوں کو دعوت دینے اور ان میں مقبولیت کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ انسان لوگوں کے سامنے بہترین نمونہ پیش کرے اور اپنے ایمان و علم اور

اخلاق میں ممتاز آئیڈیل بن کر دکھائے۔ داعی کی بات میں یہ تاثیر صرف خطبوں اور تقریروں کی کثرت سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ داعی کا ذاتی کردار ہی اس کے اندر یہ تاثیر پیدا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت میں تاثیر اسی لیے تھی کہ آپ لوگوں کے سامنے اپنا اعلیٰ اور شفاف کردار پیش کرتے تھے، بہت سے لوگ تو صرف آپ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام لانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

۷۔ معاشرے کی اصلاح، افراد کی اصلاح سے ممکن ہے

آج ہر مسلمان امت مسلمہ کی بدحالی اور معاشرتی بگاڑ کا المیہ بیان کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ہر شخص مسلمانوں کے دینی، اقتصادی اور سیاسی زوال کا رونا روتا ہے اور اس آرزو کا اظہار کرتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح ہونی چاہیے،لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ اس تلخ حقیقت کی اصلاح کا کیا راستہ ہے جس سے آج امت مسلمہ دوچار ہے؟ اور اس بگاڑ سے چھٹکارہ پانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟

کیا صرف شکوہ و شکایت اور لاحول پڑھنا کافی ہے؟ یا اصلاحِ معاشرہ پر جلسے اور تقریریں کرنے سے معاشرہ سدھر جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ ہر مسلمان کو اپنے طور پر اپنی ذاتی تربیت سے معاشرے کی اصلاح کے کام کا آغاز کرنا ہوگا، چنانچہ جب کوئی شخص خواہ مرد ہو یا عورت، اپنی ذاتی اصلاح کی کوشش کرے گا تو افراد کی اصلاح ہو گی، خاندان درست ہوں گے، محلوں اور علاقوں میں تبدیلی آئے گی اور اس طرح پورا معاشرہ سدھر جائے گا اور پھر آہستہ آہستہ امت کے سارے حالات درست ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

۸۔ اصلاحِ نفس کا امتیاز

اصلاحِ نفس کا یہ امتیاز ہے کہ اس کے لیے کوئی وقت مخصوص نہیں، یہ ہر وقت، ہر حال اور ہر جگہ مسلمان کے ساتھ پائی جاتی ہے جیسا کہ آئندہ اس کی وضاحت ہو گی۔ اس کے برعکس دوسروں کی تربیت اور اصلاح کے معین اوقات اور خاص جگہیں ہوتی ہیں۔

لہٰذا جو شخص اپنی اصلاح کا خواہش مند ہے اسے چاہیے کہ کسی چیز کا انتظار کیے بغیر اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دے۔اس کی اصلاح کرنے کے لیے نہ تو کوئی فرشتہ اترے گا اور نہ اب کوئی نبی آنے والا ہے، بلکہ یہ کام ہر کسی کو خود کرنا ہے اور ہر وقت کرنا ہے، اصلاح کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔

دوسروں پر تنقید کرنا اور ان کے عیوب کی نشاندہی کرنا تو آسان ہے، معاشرے کی خرابیاں تو ہر کوئی بیان کر لیتا ہے اور دوسروں کو معاشرے کے بگاڑ کا ذمہ دار تو ہر کوئی ٹھہراتا ہے، لیکن اپنی اصلاح کرنا ہر کسی کو مشکل نظر آتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہر فرد جب اپنی اصلاح کرنا شروع کر دے گا تو معاشروں کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔

اصلاح سے غفلت اور لاپروائی کے اسباب

مذکورہ بالا چیزیں ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے اصلاحِ نفس کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے برخلاف جب ہم مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں اکثر مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کے مختلف گوشوں میں تربیت سے واضح غفلت نظر آتی ہے، اس کے لیے پوری توجہ اور صحیح اہتمام مفقود معلوم ہوتا ہے، اگر ہم اس سستی وغفلت کے اسباب تلاش کرنا چاہیں تو اس کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آئیں گے:

۱۔ علم ومعرفت کی کمی

اصلاحِ نفس پر ابھارنے اور اس کی جانب دعوت دینے والے قرآن وحدیث میں ثابت شدہ نصوص سے اکثر مسلمانوں کی جہالت، اعمال صالحہ کے فضائل اور اس پر مرتب ہونے والے اجر وثواب کی معرفت میں کمی اصلاح میں غفلت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اسی طرح اکثر لوگ اس بات سے بھی واقف نہیں کہ اصلاحِ نفس سے دنیا وآخرت میں کیا کیا فوائد وثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ اکثر مسلمان تو اپنے دشمن شیطان کو بھی نہیں پہچانتے جو ہر طریقے سے انھیں نیکی سے روکنے کی کوشش میں رہتا ہے اور یہ اس کی چالوں کا شکار ہوکر اپنی اصلاح سے غافل رہتے ہیں۔

۲۔ مقصدِ زندگی سے عدم واقفیت

مسلمان کے نفس کی اصلاح پر جو چیز سب سے زیادہ معاون ہے وہ یہ ہے کہ اسے اپنی پیدائش کا واضح مقصد اور اس کی زندگی کی غرض وغایت کا علم ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ [الذاريات: ٥٦]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے راستے میں جہاد اور اس کی جانب دعوت دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، تاکہ آخرت میں اس جنت کی کامیابی سے ہمکنار ہو جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے، بلکہ فردوس اعلیٰ پر فائز ہو، اور دنیا میں دلی سعادت اور قلبی اطمینان سے ہمکنار ہو..... لیکن جو شخص بغیر غرض و غایت زندگی گزارتا ہے یا اس کا مقصد پوشیدہ ہوتا ہے تو وہ حیرت و غفلت اور اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے جیسا کہ آج کل اکثر مسلمانوں کا حال ہے۔ دنیا اور اس کی لذتیں، اس کی آرام و آسائش ہی اس کا مقصد اور اس کے علم کی انتہا ہوتی ہیں، پھر کیسے وہ اپنے نفس کی اصلاح کے بارے میں سوچ سکتا اور کوشش کر سکتا ہے یا اس اصلاح کے سلسلے میں پیش آمدہ تکلیفوں اور پریشانیوں پر کیسے صبر کر سکتا اور کیسے مداومت برت سکتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح وہی شخص کر سکتا ہے جو زندگی کی حقیقت کو جانتا ہو اور ایک بامقصد زندگی گزارنے اور اس مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھے۔

۳۔ دنیا سے لگاؤ

ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو زندگی کا حقیقی مقصد بھی سمجھتے ہیں اور اسلام پر عمل کرنے کے فوائد و ثمرات اور اجر و ثواب سے بھی آگاہ ہیں، لیکن یہ سب جانتے ہوئے بھی ان کا دنیا سے قلبی لگاؤ اصلاح کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے اور وہ اسی میں اپنی ساری کوشش، وقت اور سوچ و فکر صرف کیے رہتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ذاتی اصلاح سے معذور سمجھتے ہیں، اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول

ہیں جو زیادہ اہم اور اولیٰ ہے، یعنی روزی کی تلاش، اپنے اور اپنے بال بچوں کے مستقبل کی فکر، مال اور اس کی کثرت کی محبت، یا لہو ولعب میں مشغولیت وغیرہ۔

۴۔ اصلاح کا غلط مفہوم

حقیقی اصلاح کا معنی، اس کے ذرائع اور اس کے مقاصد کا غلط مفہوم بعض مسلمانوں کو اپنے نفس کی اصلاح کرنے اور اسے تربیت دینے میں آڑے آجاتا ہے۔شیطان نے ان کے ذہن میں بعض باتیں ڈال رکھی ہیں، جیسے یہ کہ اس کو اپنانا زندگی اور معاشرے سے علیحدگی کا سبب ہے، اس میں کافی وقت اور کوشش درکار ہوتی ہے، یہ عمل زندگی کی بنیادی ضروریات سے ٹکراتا ہے یا بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں اصلاح کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ الحمد للہ وہ مسلمان ہیں اور اہم دینی واجبات ادا کرتے ہیں، لہٰذا انھیں دوسری غیر ضروری عبادتوں اور اطاعتوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصلاح کی گنجائش ہر شخص میں موجود ہوتی ہے اور کوئی بھی مسلمان اس سے مستغنی نہیں۔

۵۔ تربیتی مراکز کی کمی

جس ماحول میں انسان رہتا ہے اس کا اس کی زندگی پر بڑا اثر ہوتا ہے، خواہ وہ اثر مثبت ہو یا منفی، مثال کے طور پر گھر، راستہ، دوست، مدرسہ، بازار، فلمیں، کیسٹیں، کتابیں، رسالے وغیرہ سب انسانی خیالات اور اس کے کریکٹر پر بے حد اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر تربیتی مراکز (خصوصاً گھر) نیکی اور اللہ کی ہدایت سے بہرہ ور ہیں تو انسان کی استقامت اور تربیت پر مددگار ہوتے ہیں اور ان مراکز کے وجود کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو ذلت وپستی کے اسباب بن کر رہ جاتے ہیں اور مذکورہ بالا چیزیں اصلاح اور تبدیلی میں آڑے آتی ہیں۔ اگر آج ہم ان تربیتی مراکز پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ وہ اپنی کمزوریوں اور گھٹیا پن کی وجہ سے اس معیار کے نہیں ہیں جو تربیت و استقامت کے لیے معاون ہوں۔

٦۔ تربیت کرنے والوں کی قلت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں، بچپن سے بلوغت تک اور لڑکپن سے بڑھاپے تک، بلکہ موت تک تعلیم و تربیت کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ تربیت صرف بچوں یا نو جوانوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ تربیت کسی خاص طرز یا اسلوب کے ساتھ مقید نہیں، بلکہ عمر، وقت اور حالات کے اعتبار سے اس کے اسالیب اور طریقے بدلتے رہتے ہیں۔

جب یہ بات ہمیں معلوم ہوگئی کہ مربی اول والد ہیں اور دوسرے مربی استاد ہیں، مگر آج ہمارے معاشرے میں چند اسباب کی وجہ سے ان دونوں کی کارکردگی تقریباً نا پید ہونے کے برابر ہے، ساتھ ہی ساتھ خیر خواہ دوستوں اور ساتھیوں کی قلت ہے تو اس وقت ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد و عورت بذات خود ہی اپنی رہنمائی کرے اور اس طرح والدین، معلم، دوست اور دوسرے مربی حضرات جو اپنے تربیتی واجبات اور برادرانہ سلوک میں کمزور ہو گئے ہیں ان کی متروکہ ذمہ داریاں سنبھال لے۔

۷۔ ابھی تو بڑی عمر باقی ہے!

بہت سارے مسلمانوں کے دلوں میں یہ دائمی مرض سرایت کر چکا ہے اور انھیں اپنی اصلاح کرنے، اسے گناہوں سے پاک کرنے اور عمل صالح کرنے میں تردد میں ڈالتا ہے، یا اس شیطانی احساس کی وجہ سے تربیت سے رک ہی جاتا ہے جو اس سے کسی بھی کارِ خیر کا ارادہ کرتے وقت کہتا ہے کہ نفس کو تربیت دینے اور اللہ کی اطاعت پر استقامت میں جلدی کس بات کی ہے؟ ابھی بہت عمر باقی ہے! تھوڑا انتظار کرلو، ابھی تو کافی مصروفیات ہیں، آئندہ جب مناسب وقت ہوگا اور ہر طرح کے کام کاج سے فراغت مل جائے گی، فرصت میسر ہو جائے گی تو تب یہ کام بھی کر لینا۔ اس طرح ہمیشہ یہ خطرناک احساس اسے گھیرے رہتا ہے اور اس کی عمر گزرتی رہتی ہے، اس کی زندگی کے بے شمار سال گزر جاتے ہیں اور وہ اپنے نفس کی تربیت و اصلاح میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پاتا۔

۸۔ سستی و آرام طلبی

بہت سارے مسلمان اپنے حالات کی اصلاح کے متمنی ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی سیدھی راہ پر آ جائے اور ایمان و تقویٰ، اصلاح واستقامت کے اعتبار سے بہترین لوگوں میں ان کا شمار ہو، لیکن اس سے رکاوٹ اور محرومی کا سبب وہ چیز بنتی ہے جو آج کل اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے، وہ ہے ان کی سستی و کاہلی، آرام پرستی کی عادت اور فلاح و بھلائی سے ہمکنار ہونے والے امور سے بے رغبتی، اسی آفت کی وجہ سے کتنے افضل اوقات اور قیمتی ساعتیں اور نیک اعمال اس سے ضائع ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کا نفس کمزور ہے اور شیطان اس پر غالب آ چکا ہے۔

لہٰذا جو شخص واقعی اپنی اصلاح چاہتا ہے اسے سستی اور راحت پسندی کو چھوڑ کر اس عمل کے لیے اپنی کمر کس لینی چاہیے اور ہمت سے کام لیتے ہوئے اس پر استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ یہاں جن آٹھ رکاوٹوں کو ذکر کیا گیا ہے ان سے پیچھا چھڑانا بھی بے حد ضروری ہے، ورنہ اصلاحِ نفس کا خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔

اصلاحِ نفس کے طریقے

اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل و رحمت ہے کہ اس نے ہمارے لیے اپنی رضا و محبت اور جنت کے حصول کے لیے بے شمار دروازے اور مختلف راستے ہموار کر دیے ہیں، خصوصاً جن کا تعلق مسلمان کی اپنی ذاتی اصلاح سے ہے، تاکہ ہر مسلمان مرد و عورت حسب استطاعت ان دروازوں اور راستوں سے گزرتا ہوا کامیابی اور کامرانی کی منزلیں طے کر سکے۔ قرآن وحدیث میں ذکر کردہ اصلاحِ نفس کے بہت سارے طریقوں میں سے چند یہاں بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان سے وہی شخص صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا سکتا ہے جو صدق دل سے اپنی اصلاح کا عزم کر چکا ہو، اس لیے کہ نیت اور دل کے ارادے کی کسی بھی کام میں بڑی اہمیت ہے، اگر دل کا معاملہ درست ہو جائے تو انسان کی اصلاح آسان اور یقینی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) [صحيح البخاري، كتاب الايمان ، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢و صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال و ترك الشبهات، ح:١٥٩٩]

''خبردار جسم میں ایک ایسا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، خبردار وہ لوتھڑا دل ہے۔''

پہلا طریقہ | محاسبہ

'محاسبہ' حساب کتاب کرنے کو کہتے ہیں۔ایک حساب تو بندے کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے،اس کی نیکیاں اور برائیاں ترازو کے ایک ایک پلڑے میں رکھ کر ان کا وزن کرنا ہے۔ اسی حساب کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک مسلمان دنیا میں اپنا حساب کتاب خود لگاتا ہے، تاکہ آخرت میں اسے حساب دینے میں آسانی ہو۔جس طرح ایک سمجھ دار تاجر رات کو حساب کتاب کرتا ہے کہ اس کا دن فائدے میں رہا یا اسے نقصان ہوا۔ اسی طرح ایک مسلمان سارے دن کی کمائی ہوئی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لگا کر سوتا ہے۔

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''اگر انسان زندگی میں بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے کرے تو وہ اپنی زندگی یونہی بکھیر کر رکھ دے گا جیسے کوئی جاہل اپنا مال ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگران متعین ہیں جو ہر چھوٹی بڑی چیز کو لکھتے ہیں اور ذرہ برابر چیز کو بھی نوٹ کرتے رہتے ہیں۔''

[جدد حیا تك ،ص: ۹۲۲]

مسلمان کی عقلمندی اسی میں ہے کہ اگر وہ اپنی اصلاح کا پختہ ارادہ رکھتا ہے تو سب سے پہلے اپنے اچھے اور برے اعمال کا محاسبہ کرے اور یہ واضح کر لے کہ اس کے پاس کتنی نیکیاں اور کتنی برائیاں ہیں تاکہ قیامت کے دن کسی غیر متوقع چیز کا سامنا نہ کرنا پڑے،اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ گمان کیے مطمئن ہو کر زندگی گزارتا رہے کہ وہ راہِ راست پر اور نیکوکاروں میں سے ہے، جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہو۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ [الحشر: ۱۸]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ کل قیامت کے لیے اس نے کیا بھیجا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حساب لیے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کر لو اور یہ دیکھ لو کہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پیشی کے لیے کتنے نیک اعمال کا ذخیرہ کیا ہے اور یہ یاد رکھو کہ وہ تمہارے تمام اعمال و احوال کو جاننے والا ہے، اس پر تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔'' [تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٣٦٥]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللّٰهِ)) [سنن الترمذی، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب منه، ح: ٢٤٥٩ وضعفه الالبانی]

''عقلمند وہ ہے جو اپنا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرے اور اللہ سے اپنی من چاہی امیدیں وابستہ رکھے۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

((حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ، وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا)) [سنن الترمذی، كتاب صفة القيامة، باب ٢٥، بعد حديث ٢٤٩٥، امام ترمذی نے اس اثر کو بغیر سند کے نقل کیا ہے، جبکہ ابن ابی الدنیا نے سنداً روایت کیا ہے جو انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے، دیکھیے: مسند الفاروق لابن كثير: ٢/٦١٨]

''حساب لیے جانے سے پہلے اپنا محاسبہ کر لو اور اعمال کے وزن سے پہلے اپنے

نفس کو تول لو، آج تمہارا اپنا محاسبہ کر لینا کل کے حساب کے لیے آسانی کا ذریعہ ہوگا ، اور عظیم پیشی کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لو،اس شخص کا حساب قیامت کے دن ہلکا ہوگا جو دنیا میں اپنا حساب خود کر لے۔"

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بندہ اس وقت تک بھلائی میں رہتا ہے جب تک اس کا نفس اسے نصیحت کرتا ہے اور وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ایک مسلمان کے لیے سب سے نقصان دہ چیز محاسبہ سے غفلت ہے۔ یہ اسے ہلاکت کی جانب لے جاتی ہے، یہی حال فریب خوردہ لوگوں کا ہوتا ہے کہ وہ انجام سے آنکھیں بند کیے رہتے ہیں اور لا پروا ہو کر وقت گزارتے رہتے ہیں، اور اس سب کے باوجود معافی کی امید رکھتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص اپنے نفس کے محاسبہ اور انجام سے غفلت برتتا ہے تو اس کے لیے گناہوں میں پڑنا آسان ہو جاتا ہے ،وہ ان سے مانوس ہو جاتا ہے اور ان کا چھوڑنا اس کے لیے بہت دشوار ہوتا ہے۔" [اغاثة اللهفان: ١/ ٧٨، ١٣٦]

اصلاحِ نفس میں محاسبہ کی اہمیت کے پیشِ نظر یہاں چند امور کی جانب توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ا۔ مسلسل محاسبہ کی ضرورت

سنجیدہ مسلمان اپنے نفس کی اصلاح کی خاطر وقتاً فوقتاً محاسبہ کی کوشش کرتا رہتا ہے، اپنی زندگی کے ہر پہلو کی تفتیش کرتا ہے، تاکہ یہ دیکھے کہ وہ کون کون سے درست افکار کا حامل ہے جن کو وہ مضبوطی سے تھامے رہے اور ترقی دے، اور کون سے اچھے اعمال ہیں جنہیں لازم پکڑے اور ان پر مداومت برتے اور کون سے علمی و عملی گناہ اور کوتاہ پہلو ہیں جن سے

اجتناب کرے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ محاسبے کا ایک واضح طریقہ بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سب سے مفید چیز یہ ہے کہ آدمی سوتے وقت ایک گھڑی بیٹھ جائے اور اس دن کے گھاٹے اور فائدے کا محاسبہ کرے، پھر اپنے اور اللہ کے درمیان خالص توبہ کی تجدید کرے، اور اسی توبہ پر سو جائے اور یہ عزم کر لے کہ بیدار ہونے کے بعد وہ گناہ نہیں کرے گا۔ اسی طرح ہر رات کرتا رہے، اب اگر اسی رات مر گیا تو توبہ پر مرے گا، اور اگر بیدار ہوا تو نئے عمل کے لیے بیدار ہو گا اور اپنی موت کے متاخر ہونے پر خوش ہو گا، اس طرح وہ اپنے رب سے ملے گا اور فوت شدہ چیزوں کی تلافی کر لے گا۔'' [کتاب الروح، ص: ۷۹]

۲۔ پہلے اہم امور کا محاسبہ

سب سے پہلے انسان اپنے نفس کا جس چیز پر محاسبہ کرے وہ اپنے عقیدے کی اصلاح ہے، شرک کی تمام قسموں سے بچنا، خاص طور پر شرک اصغر اور شرک خفی جس سے اکثر غفلت ہو جاتی ہے، نیز دیگر عقائد و اعمال جو توحید کے منافی یا اسے کمزور کرنے والے ہیں، پھر واجبات پر عمل کرنے، پنج وقتہ با جماعت نماز کی ادائیگی، والدین کے ساتھ اچھا سلوک، صلہ رحمی، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے، تمام چھوٹے بڑے حرام اور منکر کاموں سے اجتناب کرنے، پھر سنتوں اور اطاعتوں پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں محاسبہ کرے۔

۳۔ محاسبہ کی قسمیں

محاسبہ کی دو قسمیں ہیں: ایک عمل سے پہلے، دوسری اس کے بعد میں۔

پہلی قسم: کسی کام کا ارادہ کرتے وقت ٹھہر کر محاسبہ کرے اور عمل کرنے میں جلدی نہ کرے، رُک کر غور کرے کہ اس کام کو کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اس کا کرنا زیادہ بہتر ہے یا اسے چھوڑنا زیادہ مفید ہے۔

دوسری قسم: عمل کرنے کے بعد نفس کا محاسبہ کرنا، اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اطاعت و فرمانبرداری پر نفس کا محاسبہ، یعنی اللہ کے کسی حق میں کوتاہی تو نہیں ہوئی یا ان

حقوق کو مناسب طریقے سے ادا کیا یا نہیں۔

۲۔ ہر اس کام پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے جس کا چھوڑ دینا اس کے کرنے سے بہتر ہے۔

۳۔ ہر جائز کام پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ کس لیے کیا ہے؟ کیا اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے لیے کیا؟ یا اس کا ارادہ دنیا تھا؟ [اغاثة اللهفان:۱/ ۱۳۴، ۱۳۵]

۴۔ وقت کا محاسبہ

وقت اور فرصت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ایک مسلمان کا اصل سرمایہ وقت ہی ہے۔ یہ دو دھاری تلوار کی طرح ہے، کوئی چاہے تو اس کو بروئے کار لا کر اس سے فائدہ حاصل کر لے اور کوئی چاہے تو اسے فضول کاموں میں صرف کر کے ضائع کر لے۔ محاسبہ کی قسموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے وقت کا محاسبہ کرے۔ کیا اس نے اسے بھلائی، نیک کاموں اور مسلمانوں کے فائدے میں صرف کیا ہے یا اس کے برعکس گناہوں، لہو ولعب اور غفلت میں گزار دیا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيْمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ)) [سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، باب فی القيامة، ح:۲۴۱۶ وحسنه الألبانی]

”قیامت کے دن بندے کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے، اس کی عمر کے متعلق کہ اسے کہاں گزارا، اس کی جوانی کے بارے میں کہ کہاں صرف کیا، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔“

سلف صالحین رحمہم اللہ اپنے اوقات کے لیے بے حد حریص ہوتے تھے، کیونکہ وہ حقیقت میں اس کی قیمت سمجھتے تھے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو اپنے وقت کے لیے تمہارے درہم ودینار سے زیادہ حریص تھے۔'' [أهمية الوقت/ يوسف القرضاوي: ص ١٢]

۵۔ حسابِ اکبر کی یاد

مسلمان کے محاسبے کے لیے جو چیز معاون ہے وہ اس بات سے آگاہی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کا انتہائی دقیق حساب لے گا اور اس کی تمام نیکیوں اور برائیوں کے بارے میں سوال کرے گا، اس دن انسان دیکھے گا کہ اس کے تمام اعمال شمار کر کے رکھے گئے ہیں، کوئی چیز بھی اس میں سے فوت نہیں ہے خواہ رائی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

[منهج المسلم في تزكية النفس/ أنس أحمد كرزون ١/ ٣٤٢]

جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝﴾

[الزلزال: ٨،٧]

''جس نے ذرّہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرّہ برابر بھی بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

بندہ اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر حیرت سے کہے گا:

﴿يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾

[الكهف: ٤٩]

''ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو۔''

حسن بصری رحمہ اللہ اسی کے بارے میں فرماتے ہیں: ''مومن بندہ اپنے نفس کا نگران ہے، اللہ کے لیے اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، کچھ لوگوں کے لیے بروز قیامت حساب ہلکا ہو گا، کیونکہ انھوں نے اپنے نفس کا محاسبہ دنیا ہی میں کر لیا ہوگا، اس کے برعکس کچھ لوگوں کے لیے حساب سخت ہوگا، کیونکہ انھوں نے اپنا محاسبہ ترک کر دیا تھا۔''

[ادب النفوس / للإمام أبي بكر الآجري، ص ٢٨]

دوسرا طریقہ | توبہ واستغفار

جب ایک مسلمان اپنا محاسبہ کرے گا تو یقیناً اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے اندر کہاں کہاں کمزوری ہے جسے اسے دور کرنا ہے اور وہ نادانی میں کون کون سے گناہ کرتا رہا ہے جن سے اسے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔لہٰذا اصلاحِ نفس کا دوسرا مرحلہ گناہوں سے توبہ کرنا ہے۔گناہوں سے پیچھا چھڑائے بغیر کوئی نیک نہیں بن سکتا،خواہ کوئی کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو، بالکل اسی طرح جیسے میٹھے سے پرہیز کیے بغیر انسولین لگانے سے شوگر کنٹرول نہیں ہوتی۔اس لیے ایک اچھا مسلمان وہ ہے جو نیک عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر موجود گناہوں کو چھوڑنے اور ان سے توبہ کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''گناہوں سے فوراً توبہ کرنا واجب ہے اور اسے مؤخر کرنا جائز نہیں، چنانچہ جب بھی بندہ تاخیر کرے گا تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اگر وہ توبہ کر بھی لے تو اس پر دوسری توبہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ توبہ میں تاخیر کی توبہ ہے! یہ بات توبہ کرنے والوں کے دلوں میں کم آتی ہے،اس سے صرف عام توبہ ہی نجات دے سکتی ہے جو تمام معلوم اور غیر معلوم گناہوں سے کی جائے۔''

[مدارج السالکین: ۱/ ۲۷۲، ۲۷۳]

جس طرح گنہگار توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا محتاج ہے بالکل اسی طرح نیک اور متقی لوگوں کو بھی اس کی ضرورت ہے...... اب اگر کوئی یہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں جس کے لیے وہ توبہ کرے، یا وہ خود کو توبہ سے بے نیاز سمجھتا ہے تو یہ اس کی خوش فہمی ، بلکہ غلط فہمی ہے اور اس کے مغرور اور متکبر ہونے کی علامت ہے۔ یہ دراصل بے جا خود اعتمادی کا جال ہے جسے اس کے دشمن شیطان نے اس کے لیے بچھایا ہے،تاکہ وہ توبہ سے پیچھے رہ کر بڑی کوتاہیوں اور بے شمار گناہوں میں پھنستا چلا جائے۔

بندے سے گناہ ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن گناہ ہونے کے بعد اس پر اصرار کرنا اور اپنے گناہ پر نادم اور شرمندہ ہونے کی بجائے اس پر فخر کرنا بدترین خصلت ہے، ایسے لوگوں کو اللہ بالکل پسند نہیں کرتا، بلکہ گناہ ہونے کے بعد جب بندہ اپنے گناہ پر نادم ہوتے ہوئے اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے، بلکہ اس سے خوش ہوکر اس پر اپنے انعامات کرتا ہے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی دیتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:

''بندہ ہمیشہ اللہ کی نعمت میں رہتا ہے اس لیے اسے شکر کرنے کی ضرورت ہے اور ایسے گناہ میں ہوتا ہے جس میں مغفرت طلب کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بندے کے ساتھ ہمیشہ لازم ہوتی ہیں، کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں سے بہرہ ور رہتا ہے اور ہمیشہ توبہ و استغفار کا محتاج رہتا ہے اسی وجہ سے تمام انسانوں کے سردار امام المتقین محمد ﷺ ہر حال میں اللہ سے مغفرت طلب کیا کرتے تھے۔'' [مجموع الفتاوی : ١٠/ ٨٨]

یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گناہ اور معاصی اللہ سے قلبی لگاؤ ختم کرنے اور اسے کمزور کرنے کا سبب ہیں۔ بلکہ گناہ کرنے سے نیک عمل کی خواہش بھی کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ہم گناہوں میں ڈوبے ہوئے مسلمان کو اپنے نفس کی ایمانی اور علمی تربیت میں کمزور پاتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ گنہگار شخص اس کے بارے میں سرے سے غور وفکر ہی نہیں کرتا، حالانکہ وہ اس کا سخت ضرورت مند ہے ۔

اللہ تعالیٰ توبہ پر ابھارتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ [التحریم: ٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔''

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ

الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا)) [صحيح مسلم، كتاب الرقاق، باب قبول التوبة من الذنوب وان تقررت الذنوب والتوبة ،ح:۲۷۵۹]

"اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے، تاکہ دن میں برائی کرنے والے کی توبہ قبول کرلے اور اپنا ہاتھ دن میں پھیلاتا ہے، تاکہ رات میں برائی کرنے والے کی توبہ قبول کرلے، یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) [صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار ، ح:۲۷۰۲]

"بے شک میں اللہ کی بارگاہ میں ہر روز سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔"

اور ایک روایت میں ہے:

((أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً)) [صحيح البخاری، كتاب الدعوات، باب استغفار النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، ح:٦٣٠٧]

"ستر بار سے بھی زیادہ (توبہ کرتا ہوں)۔"

توبہ و استغفار کی اہمیت کے حوالے سے ہم بعض اہم باتوں کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

ا۔ گناہوں کی حقیقت

آج کل بہت سے مسلمانوں کے ذہن میں جو غلط مفہوم پیدا ہو گیا ہے اس کی تصحیح کرنا بہت ضروری ہے، وہ یہ کہ گناہ صرف برائیوں کے ارتکاب کا نام ہے جیسے چوری، زنا اور چغل خوری وغیرہ، حالانکہ یہ مفہوم سراسر غلط ہے، کیونکہ دینی فرائض کو ادا نہ کرنا، یا اس میں کوتاہی کرنا اور مکمل طور پر ادا نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ مثلاً نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنے میں کوتاہی کرنا یا باجماعت ادا کرنے میں سستی کرنا یا اس کے اندر خشوع وخضوع کی قلت یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دینا یا دعوت الی اللہ میں لا پروائی برتنا، یا

مسلمانوں کے معاملات و حالات سے بے توجہی برتنا، اور اسی طرح کے دیگر فرائض جو اکثر و بیشتر فراموش کر دیے جاتے ہیں۔

اسی طرح دل سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے گناہ جو ظاہری اعمال سے زیادہ سخت ہیں، مثلاً حسد، گھمنڈ، خود فریبی، غرور یہ ساری چیزیں گناہوں میں شامل ہیں اور سچی اور خالص توبہ کی محتاج ہیں۔

۲۔ توبہ کی شرائط

امام ابن کثیر رحمہ اللہ خالص توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''خالص توبہ جو سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور مزید گناہ کرنے سے روکتی ہے، یہ ہے کہ اس گناہ کو ترک کر دے، ماضی میں جو کچھ ہو چکا اس پر شرمندہ ہو اور اسے آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔''[تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٤١٨]

توبہ کی سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ بندے کو اپنے گناہوں پر دل سے شرمندگی اور ندامت کا احساس ہو اور آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ عہد ہو اور اگر گناہ کا تعلق کسی بندے سے ہے تو اس سے معاملہ صاف کر لے۔ ان شرطوں کے ساتھ اگر کوئی توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۳۔ کسی گناہ کو حقیر نہ سمجھے

پختہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی خشیت رکھنے والے مسلمان کے نزدیک کبیرہ اور صغیرہ گناہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اس کے نزدیک ہر گناہ زیادتی اور اللہ کے حقوق میں کوتاہی ہے، جیسا کہ سلف میں سے کسی نے کہا ہے:

''گناہ کا چھوٹا ہونا مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ تم نے کس کی نافرمانی کی ہے'' پھر یہ بھی دیکھو کہ کتنے کبیرہ گناہ ایسے ہوتے ہیں جنہیں توبہ اور اللہ کی جانب سچی انابت چھوٹا کر دیتی، بلکہ مٹا دیتی ہے، اور بہت سے چھوٹے گناہ اصرار کرنے

اور لا پروائی برتنے سے بڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جسے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَإِنَّمَا مَثَلُ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ كَقَوْمٍ نَزَلُوْا فِيْ بَطْنِ وَادٍ، فَجَاءَ ذَا بِعُودٍ، وَجَاءَ ذَا بِعُودٍ حَتَّى أَنْضَجُوا خُبْزَتَهُمْ، وَإِنَّ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ مَتَى يُؤْخَذْ بِهَا صَاحِبُهَا تُهْلِكْهُ)) [مسند احمد ـ ٥/ ٣٣١ وصححه الالبانی فی الصحیحة:٣٨٩]

''معمولی معمولی گناہوں سے بچو، معمولی گناہوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جو کسی وادی میں پڑاؤ ڈالتے ہیں، ان میں ایک شخص ایک لکڑی لے آتا ہے اور دوسرا شخص بھی ایک لکڑی لے آتا ہے، اس طرح وہ اتنی لکڑیاں اکٹھی کر لیتے ہیں کہ اس سے انھوں نے اپنی روٹیاں پکالیں، اسی طرح معمولی گناہ پر جب اس کے مرتکب کا مواخذہ ہوگا تو وہ اسے ہلاک کر دے گا۔''

۴۔ گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل سکتی ہے

جن گناہوں سے آدمی توبہ نہیں کرتا اسے آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کی سزا مل جاتی ہے اگرچہ تھوڑی تاخیر سے کیوں نہ ملے، لہٰذا جب بھی ہمیں کوئی مصیبت آئے، خواہ وہ مصیبت اپنے نفس میں، مال میں، اہل وعیال میں یا کاروبار میں لاحق ہو، بڑی ہو یا چھوٹی، ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ یہ ہمارے گناہوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے متعلق فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: جب میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو اس کا اثر اپنی بیوی کے اخلاق اور اپنی سواری پر دیکھتا ہوں۔

لہٰذا عقلمند انسان وہی ہے جو ہمہ وقت اور ہر حال میں بکثرت توبہ و استغفار کرتا رہتا ہے، تاکہ اللہ اسے دنیا میں معاف کر دے اور آخرت میں اس کا مواخذہ نہ کرے۔

۵۔ اپنے دشمن کو پہچانیے

ہر مسلمان مرد و عورت کو شیطان کے مکر و فریب اور اس کے طریقہ واردات سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہمیں توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے سے روک دے ۔اس کے لیے وہ مختلف دلیلیں بھی دیتا ہے۔ اس کی بعض دلیلیں یہ ہوتی ہیں: ابھی عمر بہت باقی ہے،موت بہت دور ہے ! توبہ کے لیے ابھی ساری عمر پڑی ہے! لیکن عقلمند وہ ہے جو موت کے آنے سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرتا ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ موت کب آ جائے گی۔ممکن ہے گھر سے نکلے اور کسی ٹریفک حادثے کا شکار ہو جائے اور کبھی نہ لوٹے ، یا سوئے اور بیدار نہ ہو یا اچانک موت آ کر دبوچ لے اور یہ اس وقت شرمندگی اور ندامت سے انگلیاں چبائے جبکہ اس ندامت و پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اسی کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کچھ لوگوں کو مغفرت کی آرزوؤں نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، وہ اس دنیا سے بغیر توبہ کیے کوچ کر گئے ،کوئی کہتا ہے: ہمیں اپنے رب سے اچھی امیدیں ہیں، حالانکہ وہ جھوٹا ہے! کیونکہ اگر حسن ظن رکھتا تو نیک عمل کرتا۔“

[الجواب الكافی/ لابن القیم: ص ٢٦]

توبہ کرنے کے بعد عام طور پر دل میں خیال رہتا ہے کہ توبہ قبول ہوئی یا نہیں؟ تو یہ جاننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر اس گناہ کی طرف دوبارہ میلان ہوتا ہے اور وہ گناہ پھر سے سرزد ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ توبہ کی شرطوں میں کوئی کمی رہ گئی ہے اور توبہ اللہ رب العزت کے ہاں قبول نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں قطعاً مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ دوبارہ سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کرنے اور کثرت سے استغفار کی ضرورت ہے، کیونکہ شیطان بندے کو بہکانے اور گناہ کے دلدل میں پھنسانے کی پوری کوشش کرتا ہے، ایسے میں بندے کو چاہیے کہ اپنا ارادہ مضبوط رکھے اور استقامت کا مظاہرہ کرے۔

تیسرا طریقہ | حصولِ علم

دینی علم کا حصول نفس کی اصلاح اور صحیح رہنمائی کرنے کا بڑا اہم ذریعہ ہے۔ اگر بندہ حلال وحرام، حق وباطل اور عقائد وافکار کے صحیح وغلط سے ناواقف ہو تو وہ ہرگز اپنے نفس کی صحیح تربیت نہیں کر سکتا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو کہ علم کا حاصل کرنا فرض ہے اور یہ علم مریض دلوں کی شفا ہے۔ بندے پر سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی معرفت حاصل کرے جس کی معرفت اور اس پر عمل کرنا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔"

[حاشية ثلاثة الأصول / للشيخ عبد الرحمن القاسم: ص ١٠]

جس علم کے ذریعے تربیت حاصل ہو سکتی ہے وہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کی آراء سے ماخوذ شرعی علم ہے جو اللہ کی خشیت اور اس کے تقویٰ تک پہنچاتا ہے، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے احکام وحدود کی معرفت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرتا ہے۔[ورثة الأنبياء/ لعبد الملك القاسم]

قرآن مجید کے مطابق علم کی بنیاد اور اس کا محور اللہ رب العزت کی ذات اور اس کی وحدانیت ہے، اس کے بغیر نہ علمی سفر شروع ہو سکتا ہے اور نہ منزل تک پہنچنا ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [محمد:١٩]

"اس علم کو دل میں بٹھا لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

یہ علم کی ابتدا اور یہی علم کی انتہا ہے، اس کے علاوہ جو بھی منزل متعین کی جائے گی وہ پیٹ بھرنے اور خواہش نفس کو پورا کرنے سے آگے نہیں بڑھ پائے

گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝﴾
[النجم:٢٩]

''آپ ان لوگوں پر توجہ نہ دیں جو ہماری یاد سے منہ پھیرتے ہیں اور بس دنیاوی زندگی کی چاہت میں لگے ہیں، یہی ان کے علم کی رسائی ہے۔''

بے مقصد علم حقیقت میں علمی آوارگی ہے جو کچھ بھی معلوم نہ ہونے کی طرح ہے، قرآن نے اسے نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝﴾ [الروم:٦۔٧]

''لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، بس دنیاوی زندگی کے ظاہری پہلو کو جانتے ہیں اور آخرت سے یہ لوگ غافل ہیں۔''

دینی علم کے علاوہ کچھ جانبی علوم بھی ہیں، جو اگر اس اصلاح کے عمل میں مددگار اور اس کی تکمیل و تحسین میں معاون ہوں تو انھیں سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسے سائیکولوجی، سوشل ایجوکیشن، کمپیوٹر، میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ مفید عصری علوم ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ)) [صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل اجتماع على تلاوة القرآن و على الذكر، ح:٢٦٩٩]

''جس کسی نے علم دین کی طلب کا راستہ اپنایا اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے۔''

اصلاحِ نفس کے مسئلہ میں علم کی اہمیت و افادیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مربوط اور لازم و ملزوم ہیں۔ ابن مبارک رحمہ اللہ سے جب سوال کیا

گیا کہ کب تک حدیث لکھتے رہو گے؟ تو فرمایا: ممکن ہے وہ کلمہ جس سے میں مستفید ہوں، اب تک نہ سن سکا ہوں!!

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ہمارے سامنے سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا گزر ہوا، وہ بغداد کی گلیوں میں اپنی جوتیاں ہاتھوں میں اٹھائے ایک علمی حلقے سے دوسرے حلقے کی طرف دوڑ رہے تھے، تو میرے والد اٹھے اور ان کا گریبان پکڑ کر کہا: اے ابوعبد اللہ! کب تک علم حاصل کرتے رہو گے؟ انھوں نے جواب دیا: مرتے دم تک۔''

[شرف أصحاب الحديث: ص ٦٨]

اس لیے نفس کی صحیح تربیت کے لیے علم کا حصول بڑا اہم ذریعہ ہے، اس کے بہت سے طریقے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ ہفتہ وار علمی دروس میں مسلسل حاضری جسے علمائے کرام مسجدوں میں پیش کرتے ہیں۔

۲۔ ان علمی اور تربیتی پروگراموں میں شرکت جو مسجدوں، سماجی اور خیراتی اداروں میں منعقد کیے جاتے ہیں۔

۳۔ قرآن مجید، تفسیر، حدیث، سیرت النبی ﷺ، تاریخ اسلام اور دیگر دینی موضوعات پر مستند علما کی کتابیں پڑھنا۔

۴۔ علمائے کرام، ادباء اور دیندار لوگوں سے ان کے علم اور تجربوں سے مستفید ہونے کے لیے ملاقات کرنا اور ان کے ساتھ علمی و فکری موضوعات پر مذاکرہ اور گفتگو کرنا۔

۵۔ مختلف علوم وفنون کے علمی دروس اور پروگراموں کی کیسٹس اور سی ڈیز سننا۔

۶۔ ریڈیو پر تلاوت قرآن اور دیگر مفید دینی پروگرام سننا۔

۷۔ انٹرنیٹ پر موجود دینی، علمی اور ثقافتی پروگراموں سے استفادہ کرنا۔

۸۔ دینی رسائل، مجلات اور اخبارات کے ذریعے اسلامی دنیا اور مسلمانوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا۔

۹۔ ان درسی پروگراموں سے استفادہ کرے جسے علمائے کرام اور اساتذہ کالجوں، مساجد اور مدرسوں میں پیش کرتے ہیں۔

ان ذرائع کے متعلق بعض اہم باتوں سے آگاہی ضروری ہے۔

۱۔ طلب علم میں اخلاص ضروری ہے

علم سیکھنے میں اللہ کی رضا مقصود ہو۔ اگر ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے علم حاصل کیا جائے تو کچھ حاصل ہونے کی بجائے ایسا علم الٹا وبال جان بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ، لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به ، ح: ٢٥٢ وصححه الالبانى]

''جو علم اللہ کی رضا کی خاطر حاصل کیا جانا چاہیے، اسے کوئی حصولِ دنیا کے لیے حاصل کرے تو قیامت کے دن اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔''

۲۔ علم میں اضافے کی تڑپ

مختلف وسائل اور طریقوں سے علم میں اضافہ کرنے کی تڑپ ہونی چاہیے، خواہ انسان کے پاس کتنی بھی اونچی ڈگری ہو علم حاصل کرنے میں توقف نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علم میں اضافے کی یہ دعا سکھائی ہے:

﴿رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طٰه: ١١٤]

''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

۳۔ علم نافع وہی ہے جس کے مطابق عمل ہو

علم حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو، تاکہ وہ اپنی زندگی

کے ایمانی، اخلاقی اور سماجی پہلوؤں میں مثالی نمونہ بن سکے۔ علم حاصل کرنے کا فائدہ ہی اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اس پر عمل کرے، اور بغیر عمل کے علم حاصل کرنا گدھے پر کتابیں لادنے کے مترادف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے علم سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے جو مفید نہ ہو۔ آپ ﷺ ان الفاظ میں دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ)) [سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، ح: ٢٥٠ وصححه الالبانی]

"اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسے علم سے جو نفع مند نہ ہو، ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو، ایسے دل سے جس میں عاجزی نہ ہو اور ایسے نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو۔"

۴۔ علم سے دوسروں کو فیض یاب کرنا

علم حاصل کرنے کے بعد بندے کے کندھوں پر ایک اور ذمہ داری آن پڑتی ہے کہ وہ اس علم کو اپنے تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ لوگوں کو بھی اس سے فیض یاب کرے۔ اللہ کی طرف دعوت دے کر، لوگوں میں اسے پھیلا کر اور ہر اسلوب اور حکمت و دانائی سے لوگوں میں تبلیغ کر کے اس علم کا حق اور اس کی زکوۃ ادا کرے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً)) [صحيح البخاری، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بنی إسرائيل، ح:٣٤٦١]

"اگر میری طرف سے تمھیں ایک آیت بھی پہنچے تو اسے آگے پہنچا دو۔"

چوتھا طریقہ | نیک اعمال میں رغبت

اس اسلوب کی بہت ساری قسمیں اور متعدد طریقے ہیں اور تزکیہ نفس میں یہ بے حد مؤثر ہے، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی عملی تطبیق ہے۔ ہدایت واستقامت کی طلب کرنے والے کی سچائی کی جانچ اسی سے ہو سکتی ہے اور یہ عمل ہی بتاتا ہے کہ کوئی اپنی اصلاح کرنے میں کتنا سنجیدہ ہے۔

اس کے بے شمار میدان ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ فرائض کی بہترین طریقے سے ادائیگی مثلاً:

الف۔ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کی پابندی کرنا۔

ب۔ ہر فرض نماز میں تکبیر تحریمہ پانے کی کوشش کرنا۔

ج۔ رمضان المبارک کے روزے تمام محرمات اور منکرات سے بچتے ہوئے رکھنا۔

د۔ حج کے اسباب میسر ہوں اور اس کی طاقت ہو تو اسے ادا کرنے میں جلدی کرنا۔

۲۔ بکثرت نفلی عبادتیں کرنا، مثلاً:

الف۔ فرض نمازوں سے پہلے اور بعد والی سنتیں ادا کرنے کی پابندی۔

ب۔ نمازِ وتر کی ادائیگی پر مواظبت برتنا خواہ ایک ہی رکعت ہو۔

ج۔ نمازِ فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک ذکر واذکار اور تلاوت قرآن کے لیے مسجد میں بیٹھنا اور دو رکعت نماز پڑھنا۔

د۔ چاشت (اشراق) کی نماز کی پابندی کرنا۔

ھ۔ تہجد کی نماز پڑھنا، خواہ تھوڑی رکعات ہی سے آغاز کیا جائے۔

و۔ نفلی روزوں کا اہتمام کرنا، جیسے شوال کے چھ روزے، یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) کا

روزہ ، یوم عاشورا (دس محرم) کا روزہ، سوموار اور جمعرات کے دن کا روزہ، ایام بیض (قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ) کا روزہ۔

ز۔ استطاعت کے مطابق رفاہی کاموں میں صدقہ وخیرات کرنا۔

۳۔ ذکر واذکار کا اہتمام کرنا

مسلمان کے نفس کی تربیت میں ذکر اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے بڑا اونچا مقام رکھتا ہے، اس کے کئی درجے ہیں، سب سے اعلیٰ مرتبہ دل اور زبان کے ساتھ ذکر کرنا ہے، دوسرا درجہ صرف دل سے ذکر کرنا اور تیسرا درجہ صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔

اللہ کا ذکر وہ عمل ہے جس سے انسان دنیا کی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اور گناہوں کے دلدل سے باہر نکل کر اپنی اصلاح میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ دل میں اللہ کی یاد جب رچ بس جائے تو انسان کے اعضاء وجوارح بھی اللہ کی مرضی اور اس کی پسند کے مطابق کام کرنے لگتے ہیں جس سے وہ کمال بندگی کی طرف بڑھتا ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ذکر الٰہی سے غافل ہوتا ہے اسے گمراہی میں پڑتے دیر نہیں لگتی، شیطان اسے آسانی سے اچک لیتا ہے اور وہ شیطان کے مکروفریب میں آکر نفسانی خواہشات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔

ذکر کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ قرآن کی تلاوت، یہ ذکر کی سب سے افضل قسم ہے، اس لیے ہر مسلمان کو ہر روز قرآن مجید کے کچھ حصے کی تلاوت ضرور کرنی چاہیے، جتنی بھی مشغولیت ہو قرآن کی تلاوت نہیں چھوٹنی چاہیے۔ چار صفحے روزانہ سے شروع کرے اور ہر مہینہ ایک صفحہ بڑھاتا رہے۔ یہاں تک کہ ایک عرصہ بعد یومیہ ایک پارہ تک پہنچ جائے اور پھر اسی پر پوری زندگی ثابت قدم رہے۔

۲۔ روزمرہ کے اذکار، مثلاً: گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا، کھانا شروع کرنے سے پہلے اور فارغ ہونے کے بعد کی دعا، کپڑا پہننے، چاند

دیکھنے اور نزولِ بارش کی دعا وغیرہ۔

۳۔ صبح وشام کی دعائیں: یہ وہ دعائیں ہیں جو دن رات کے ابتدائی حصے میں پڑھی جاتی ہیں۔مثلاً: آیت الکرسی، سورۃ اخلاص اور معوذتین (تین بار) سید الاستغفار وغیرہ۔

۴۔ معین تعداد والی دعائیں جس طرح احادیث صحیحہ میں ان کی تعداد اور فضیلت ثابت ہے،مثلاً فرض نماز کے بعد"سبحان اللہ"، "الحمد للہ"، "اللہ اکبر" تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنا اور سو کی تعداد پوری کرنے کے لیے ایک بار"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ" پڑھنا۔

۵۔ مطلق دعائیں: یہ وہ دعائیں ہیں جو کسی جگہ، وقت اور حالت کے لیے مخصوص نہیں ہیں جیسے"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "وغیرہ کہنا۔

ہم یہاں اعمالِ صالحہ کے متعلق بعض اہم باتیں ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

۱۔ نماز کی اہمیت

پکا سچا مسلمان دن بھر میں پانچوں نمازوں کی مسجد میں جماعت کے ساتھ پابندی سے ادائیگی کرتا ہے اور اس کے ارکان ، واجبات، سنن اور وقت کا خیال رکھتا ہے اور ان باتوں سے اجتناب کرتا ہے جس میں بعض لوگ پڑے رہتے ہیں، مثلاً فرض نماز چھوڑ کر سنتوں اور دوسری اطاعتوں کا اہتمام یا بے فائدہ لہو ولعب میں مشغول رہنا، یا دیر تک شب بیداری جس کی وجہ سے نمازِ فجر وقت پر ادا نہ ہو پائے، اسی طرح ایک اچھا مسلمان تکبیر تحریمہ کے پانے کی کوشش کرتا ہے جس سے بہت سے نمازی غافل ہوتے ہیں۔

۲۔ عادت اور عبادت میں فرق

عبادت کا مقام و مرتبہ ہمیں اس قدر بلند کرنا چاہیے کہ یہ ایک عادت بن کر نہ رہ جائیں۔ چند رٹے رٹائے الفاظ ادا کر لینے کا نام نماز نہیں ہے، بلکہ حد درجہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اسے اپنے دل وروح سے ادا کریں، اس کے معانی اور مقاصد کو سمجھتے ہوئے،

خشوع وخضوع اور صدق و اخلاص سے ادا کریں، تاکہ ہمارے دل اور زندگی میں ایسی تاثیر پیدا ہو جو ہمارے اعضاء اور کردار پر ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ [المؤمنون: ۱،۲]

''یقیناً ایمان والوں نے فلاح پالی، جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔''

۳۔ صرف معرفت کافی نہیں

کیا یہ درست ہے کہ ہم ان اعمال صالحہ کے فضائل وثواب کو صرف علم کی حد تک رہنے دیں؟ اور ان پر عمل نہ کریں۔ جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور جنت الفردوس کی خواہش ہو گی وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتا، بلکہ وہ نیکی کے ہر میدان میں سبقت کرنے والا اور ہر بھلائی و اطاعت میں پیش قدمی کرنے والا دکھائی دے گا، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ﴾ [الحدید: ۲۱]

''اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی چوڑائی کے برابر ہے، یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔''

اس انوکھی حکمت سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھیے، نیکیوں میں دوسروں سے مقابلہ کیجیے اور اس دوڑ میں جیتنے کی کوشش میں لگ جائیے۔

۴۔ اللہ کا ذکر نہ بھولیے

واجبات کی ادائیگی کے بعد سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ مسلمان کی زبان ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کے ذکر، تسبیح، استغفار اور مختلف قسم کی دعاؤں سے تر رہے، خواہ گھر میں ہو یا گاڑی میں یا دفتر میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ [الاعراف: ٢٠٥]

''اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ صبح و شام یاد کرو اور آواز بلند کیے بغیر زبان سے بھی اور اہل غفلت میں سے مت ہو۔''

۵۔ نشاط و تندرستی کے اوقات کو غنیمت جانیے

آدمی کا نفس کبھی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے آمادہ ہوتا ہے اور کبھی اس سے راہ فرار چاہتا ہے، عقلمند وہ شخص ہے جو اپنی صحت و تندرستی اور فراغت کے اوقات کو اطاعت و فرمانبرداری اور بکثرت نوافل کی ادائیگی میں صرف کرتا ہے، اسی لیے حدیث میں ہے:

((اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ)) [المستدرك للحاكم: ٤/ ٣٠٦، امام حاکم نے صحیحین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، نیز دیکھیے: صحیح الجامع الصغير: ١٠٧٧]

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، تونگری کو تنگدستی سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔''

٦۔ پاکیزہ اوقات اور مقدس جگہوں سے استفادہ کیجیے

اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات اور جگہوں کو خاص فضل و کرم بخشا ہے، اور اسے اپنی رحمتوں کے نزول اور دعاؤں کی قبولیت کا مقام بنایا ہے، اس لیے مسلمان کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جیسے رمضان المبارک کا مہینہ، ذی الحجہ کے پہلے دس دن، جمعہ کے روز کی آخری گھڑی، رات کا تیسرا پہر، حدیث میں ہے:

((إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ، يَسْأَلُ اللّٰهَ

خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ)) [صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين و قصرها، باب في الليل ساعة مستجاب فيها الدعاء، ح:۷۵۷]

''رات میں ایک ایسی گھڑی ہے جسے کوئی بھی مسلمان پا کر اس میں دنیا و آخرت کی کوئی بھی بھلائی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے اور اسی طرح ہر رات ہوتا ہے۔''

۷۔ درمیانی راہ چلیے

ان عبادتوں اور اطاعتوں میں مسلمان کو کوشش کرنی تو چاہیے مگر اعتدال کے ساتھ، اس لیے کہ بعض عبادتوں کا اہتمام کرنا اور دوسری سے غفلت برتنا درست نہیں ہے، بلکہ حسب طاقت و فرصت تمام عبادتوں پر عمل کرنا چاہیے، تا کہ بندے کا شمار کامل بندگی کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لوگوں کے لیے اللہ کی جانب پہنچنے کے راستے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''کوئی اللہ کی طرف چلنے والا ایسا ہوتا ہے جو ہر راستے سے پہنچ جاتا ہے، یہ وہ شخص ہوتا ہے جس نے اس کی بندگی کو اپنے دل کا قبلہ اور اپنا نصب العین بنا رکھا ہے، جہاں کہیں ہوتا ہے اور جہاں بھی جاتا ہے اسی کا قصد کرتا ہے اور اسی کے ساتھ چلتا ہے، ہر جماعت کے ساتھ اپنا حصہ مقرر کر لیتا ہے، جہاں بھی عبودیت پائی جائے وہیں وہ ہوتا ہے، اگر علم کا مسئلہ ہے تو اہل علم کے ساتھ، جہاد کا معاملہ ہے تو مجاہدوں کی صف میں، نماز کا معاملہ ہے تو نماز ادا کرنے والوں میں، ذکر کا مسئلہ ہے تو ذکر کرنے والوں کے ساتھ، احسان کا معاملہ ہے تو محسنین کے زمرہ میں نظر آتا ہے، ہر جگہ عبودیت اس کا مذہب ہوتا ہے اور عبودیت کا خیمہ اس کا مقصد ہوتا ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تم کیسا عمل چاہتے ہو؟ تو کہے گا: میں اپنے رب کے اوامر کی بجا آوری چاہتا ہوں خواہ کہیں بھی ہو۔''

[طریق الهجرتین: ص ۱۷۸۔ ۱۷۹، الفوائد: ص ۳۸]

پانچواں طریقہ | اچھا اخلاق اپنانا

اسلام نے اخلاق کی درستی پر بہت زور دیا ہے۔ اخلاق میں جب حقوق کی بات آتی ہے تو سب سے پہلا حق اللہ کا ہے، اس کا تقویٰ، اس کی خشیت اور اس سے محبت کو دل میں بٹھانا، جبکہ اس کے بعد حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کا نمبر آتا ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ مختلف اخلاق و اقدار پر ابھارتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [الحجرات : ٩]

''بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [آل عمران: ١٤٨]

''اور اللہ تعالیٰ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ [حٰمٓ السجدة: ٣٤]

''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو سب سے اچھے طریقے سے ہٹاؤ، تو وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر: ١٠]

''صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، وَإِنَّ اللَّهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ)) [سنن الترمذی، کتاب البر والصلة ، باب ماجاء فی حسن الخلق،ح:٢٠٠٢، وصححه الألبانی]

'قیامت کے دن مومن بندے کے ترازو میں حسن اخلاق سے بھاری چیز کوئی نہیں ہوگی اور بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو بدزبان سے ناراض ہوتا ہے۔''

دوسری حدیث میں فرمایا:

((إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ))

[سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی حسن الخلق، ح:٤٧٩٨، وصححه الالبانی]

''بے شک مومن بندہ حسن اخلاق کے ذریعے قیام اللیل کرنے والے روزہ دار کا اجر پالیتا ہے۔''

یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاں حسن اخلاق تربیتی ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے وہیں اس تربیت کی غرض و غایت بھی ہے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ خود کو اخلاق حسنہ سے مزین کرے، جس کی ہمارے دین عظیم نے دعوت دی ہے جیسے بردباری، صبر، محبت، خاکساری، سخاوت، غمخواری، سچائی، امانت داری، عدل، تحمل، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت، تنگدست فقیر و مظلوم کی مدد کرنا۔ اخلاق حسنہ اپنانے سے اسلامی معاشرے کا ہر فرد محبت و شفقت کی فضا میں زندگی گزارے گا اور ان کے درمیان محبت، اعتماد، احترام اور شفقت و محبت کا تعلق قائم ہوگا۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دین سارے کا سارا اخلاق ہے، جو تم پر اخلاق میں بڑھ گیا اس نے تم پر دین (ایمان) میں فوقیت حاصل کر لی۔'' [مدارج السالکین : ٢/ ٢٠٧]

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ''وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ تقویٰ کی خصلتوں میں سے ہے اور تقویٰ بغیر اس کے مکمل ہی نہ ہوگا اور اس کی توضیح کی ضرورت کے پیش نظر اسے تنہا ذکر کیا گیا، کیونکہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ صرف حقوق اللہ کی ادائیگی کا نام ہے، حقوق العباد کا اس سے کوئی تعلق نہیں......!! حالانکہ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق پر ایک ساتھ عمل کرنا بہت عمدہ چیز ہے، جس کی صرف انبیاء کرام اور صدیقین ہی طاقت رکھتے ہیں۔'' [جامع العلوم والحكم: ١/ ٤٥٤]

اخلاقی تربیت کے لیے چند توجیہات پیش خدمت ہیں:

ا۔ مستقل مزاجی ضروری ہے

یہ ایک عظیم تربیتی بنیاد ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے مختلف پہلوؤں میں تعلیم دی ہے، کسی بھی غلط عادت یا بری صفت کی اصلاح بار بار کوشش کرنے اور سچی محنت کے ذریعے ہوتی ہے، کیونکہ کسی مسلمان کا یہ کہہ کر کہ یہ اس کی عادت اور طبیعت بن چکی ہے جو بدلی نہیں جاسکتی، اخلاق سیئہ سے متصف ہونا ناقابل قبول ہے، اس لیے کہ اگر ہر برے اخلاق والا شخص یہی کہتے ہوئے اسے نہ بدلنے کی دلیل پیش کرے تو پھر اوامر ونواہی، عقل وارادہ اور ترغیب وترہیب کا اسلام میں کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں رہ جائے گا۔

۲۔ گندے اخلاق سے دل کو پاک کرنا

یہ چیز اسلام میں بلندیٔ اخلاق میں سے ہے، اس لیے کہ اگر مسلمان دوسروں کو نفع پہنچانے، ان کے ساتھ بھلائی کرنے اور ان سے اخلاق وآداب سے پیش آنے کی طاقت نہیں رکھتا تو کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ اس کا دل کینہ، بغض، کبر وحسد اور تمام برے اخلاق سے پاک ہو۔

۳۔ اخلاقی کمال و ترقی

بہت سے مسلمان مزید اخلاق و آداب سے آراستہ ہونے یا اس کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے سے یہ کہتے ہوئے رک جاتے ہیں کہ ان کے اخلاق مکمل ہیں اور وہ بلند صفات کے مالک ہیں، جب کہ یہ بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ وہ اخلاق اور مراتب جس کی ہمیں اسلام نے دعوت دی ہے ان کی وسعت و گہرائی کا احاطہ ناممکن ہے، اگر کوئی انسان اپنے آپ سے یہ سوال کرے خاص کر عصر حاضر میں کہ کیا وہ ان تمام صفات سے مکمل اور بہتر طور پر متصف ہے؟ تو اگر وہ سچا ہے تو اس کا جواب سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ نہیں ہوگا۔

۴۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کیجیے

مسلمان کے اپنے نفس کو اخلاقی تربیت دینے اور اپنی کمی کو پورا کرنے کے موثر وسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اچھے اخلاق اور بہتر صفات والوں کی صحبت اختیار کرے، تاکہ ان کے اخلاق و آداب سے فیض یاب اور آراستہ ہو، اس لیے کہ انسان فطری طور پر اپنے ماحول و معاشرے سے متاثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسلام نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ مسلمان نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے، اور انھیں مشک فروش سے تشبیہ دی ہے اور برے اخلاق والوں سے بچنے کے لیے کہا ہے اور انھیں بھٹی پھونکنے والوں سے تشبیہ دی ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک صحبت اپنائے، شاید ان میں سے کسی کے اندر ایک ہی اچھا اخلاق یا عمدہ صفت دستیاب ہو جائے جس سے اللہ اسے دنیا و آخرت میں عظیم نفع پہنچائے۔

۵۔ ہر جگہ آداب کا خیال رکھیے

مسلمان کے لیے ان کاموں کا ارتکاب مناسب نہیں جو مروت کے منافی ہوں یا جنھیں لوگوں کے ساتھ معاملات اور ان سے گفتگو کے آداب کے منافی سمجھا جائے، جیسے بغیر ضرورت آواز بلند کرنا، معمولی سی بات پر غصہ ہو جانا، بہت زیادہ باتیں کرنا اور مذاق

کرنا، کھانا کھاتے وقت کھانے کے آداب ملحوظ نہ رکھنا یا گاڑی چلاتے ہوئے ٹریفک کے قوانین کی مخالفت کرنا، مثلاً کسی ایسی جگہ کھڑا ہونا جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا گاڑی غلط جگہ پر پارک کردینا، اس لیے کہ مسلمان سے یہی مطلوب ہے کہ وہ دوسروں کے درمیان خود دار اور با ادب ہوکر رہے اور دوسروں کا احساس کرنے والا ہو، کیونکہ ہر مسلمان امت اسلامیہ کا نمائندہ ہے، اور ایک بہترین تہذیب وثقافت کی تعمیر کے لیے کوشاں ہے، اس کے تمام حرکات وسکنات اسلام کے شمار کیے جائیں گے۔ مسلمان کو ایسا ہونا چاہیے کہ غیر مسلم اس کی طرف دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ مسلمانوں کے آداب اور طور طریقوں کو دیکھ کر لوگوں کے دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی اور وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوگئے۔

چھٹا طریقہ | دعوتِ دین

ذاتی تربیت کے اسالیب میں دعوتی عمل میں شرکت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ مسلمان جب دوسروں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور تعلیم و تربیت کے لیے لوگوں سے ملتا جلتا ہے تو وہ ساتھ ہی ساتھ خود کو اللہ و رسول کی جانب لبیک کہنے کی تربیت بھی دے رہا ہوتا ہے، اسے دوسروں کے احساسات اور جذبات سے آگاہی ہوتی ہے اور انھیں کفر و معصیت سے نکالنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کی اصلاح کرتے ہوئے انھیں نیکی کی طرف بلاتا ہے اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں دوسروں کو جس چیز کی دعوت دے رہا ہوں میرا اپنا عمل اس پر کیوں نہیں ہے۔ ایک داعی میں جب یہ احساس پیدا ہوتا ہے تو اسے اپنی اصلاح کرنے کا موقع ملتا ہے۔

دوسری طرف جب ایک مسلمان اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی حالت اور اکثر لوگوں کی دینی و اخلاقی کمزوری دیکھتا ہے تو ان کی یہ افسوس ناک اور تکلیف دہ حالت دیکھ کر حسرت و تکلیف سے دو چار ہو جاتا ہے۔

لیکن کیا اس حالت کی اصلاح کے لیے صرف غم و حسرت کرنا کافی ہے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ جس کے دل میں دین کے لیے خلوص اور مسلمانوں کے لیے شفقت ہوگی وہ اس پر اکتفا کرے گا، بلکہ ہمارا گمان اور توقع یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائے گا جس سے وہ خود بری الذمہ ہو جائے اور قیامت کے روز حساب سے نجات پا جائے۔

مسلمان کی اس دعوتی تربیت کو بروئے کار لانے اور اس پر کوشش کرنے کے لیے ہم چند مفید حقائق ذکر کر رہے ہیں:

۱۔ دعوت کے وجوب کا احساس

یہ ایک اہم معاملہ ہے، اس لیے کہ اللہ کی طرف دعوت کے وجوب کی معرفت ہی کے ذریعے ہر مسلمان اپنی دعوتی تربیت کرتا ہے اور اس کے لیے اس کام کے کرنے کے سلسلے میں نہ تو کوئی عذر چل سکتا ہے اور نہ اسے چھوڑنے کا کچھ اختیار حاصل ہے۔ ہر کوئی اپنے علم، وسائل اور کوشش کے مطابق اس فریضے کو انجام دے گا۔ بہت سی آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ میں اس فریضے کا ذکر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾

[یوسف: ۱۰۸]

''کہہ دیجیے، میری راہ یہی ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ۔''

اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا)) [صحيح مسلم، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة، ح:۲٦٧٤]

''جس نے کسی ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کے لیے اس کی اتباع کرنے والے کے جیسا اجر ہوگا اور ان کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))

[صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان، ح:٤٩]

''تم میں سے جو بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل

سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

۲۔ ہر فرصت کو دعوت میں صرف کرنا

اللہ کی طرف دعوت دینا کسی جگہ، وقت اور مخصوص لوگوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ ہر وقت اور ہر گھڑی، ہر طریقے اور شرعی اسلوب کے ساتھ عام ہے، اس لیے کسی بھی فرصت یا دعوت و اصلاح کی ایمرجنسی حالت کو حقیر سمجھنا مسلمان کے لیے درست نہیں ہے۔ کون جانتا ہے کہ اس کے ذریعے سے کوئی شخص ہدایت یافتہ ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((فَوَاللَّهِ لَأَنْ يُهْدَى بِكَ رَجُلٌ وَاحِدٌ خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ)) [صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم الناس الى الاسلام، ح:۲۹۴۲ و صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن ابي طالب، ح:۲۴۰۶]

"اللہ کی قسم! اگر تیری وجہ سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت مل جائے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

۳۔ مداومت اور عدم انقطاع

تھوڑا عمل جو ہمیشہ کیا جائے اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جو منقطع ہو جائے، یہ دعوتی میدان کے لیے ایک ٹھوس بنیاد ہے۔ بعض مسلمان اپنی زندگی کے بعض اوقات میں خصوصاً جوانی میں دعوت و تبلیغ کی انتہائی محنت کرتے ہیں، لیکن چند دنوں اور سالوں کے بعد بعض اسباب کی وجہ سے ان پر دھیرے دھیرے سستی طاری ہونے لگتی ہے اور وہ سرے سے اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں، اس کا اہم سبب، علمی یا ایمانی پہلو کے التزام میں کمزوری ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں جن کو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔

۴۔ دعوت کے بے شمار طریقے ہیں

داعی کا اپنی رغبت، وقت اور طاقت کے مطابق دور حاضر میں دعوت و تبلیغ کے وسائل

کے استعمال کی کوشش اس کی ذہانت و فطانت کی دلیل ہے، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ وہ تمام وسائل استعمال کرتا ہے، خواہ وہ کتنے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اور ہر موقعہ سے فائدہ اٹھاتا ہے خواہ کتنا ہی مختصر ہو، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حریص ہوتا ہے، کیونکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر بڑھتی ہے اور اس کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً: چہرے پر مسکراہٹ سجا کر ملنا، اچھی بات کہنا، تحفے تحائف کا تبادلہ، کتاب، کیسٹ، سی ڈی، دروس وتقاریر وغیرہ۔

۵۔ دوسروں کے ساتھ تعاون

داعی اگر حسب استطاعت علم، وقت اور مال کے ذریعے دعوت عام کرنے اور اصلاح و رہنمائی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا یہ عمل انتہائی عظیم اور یہ سرگرمی لائق شکر ہے، لیکن اس وقت اس کی تاثیر اور فائدہ بڑھ جاتا ہے جب اپنی کوشش کو دوسروں کی کوششوں کے ساتھ متحد کر دیتا ہے اور وہ دوسرے مبلغین کے ساتھ مل جل کر اس واجب کو ادا کرتے ہیں، آج اجتماعی کوشش اور اداری پروگرام کی حاجت ہے، تاکہ ان کی امید اور مقصود مکمل کامیابی و کامرانی کی صورت میں ظاہر ہو۔

ساتواں طریقہ | مجاہدہ

مجاہدے کا لفظ 'جہد' سے نکلا ہے جس کا معنی کوشش کرنا ہوتا ہے۔ کسی کے مقابلے میں پوری کوشش لگا دینے کو 'مجاہدہ' کہتے ہیں۔ ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں دین پر چلنے کے لیے بہت سی چیزوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اسے اپنے نفس اور خواہشات سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اپنے ازلی دشمن شیطان کا سامنا کرنا ہوتا ہے جس نے اسے گمراہ کرنے اور سیدھی راہ سے بھٹکانے کی قسم کھا رکھی ہے، اسے انسان نما شیطانوں سے بھی مقابلے کی ضرورت پیش آتی ہے جو اسے راہ حق سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، حتیٰ کہ اسے اس کوشش میں دشمن سے لڑنا بھی پڑتا ہے۔ اس جہاد اور مجاہدے کے بغیر دنیا میں اسلام پر چلنا بہت مشکل ہے، اس لیے جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہے اسے یہ مجاہدہ کرنا ہوگا۔ تب ہی وہ اپنی اور معاشرے کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ جو مسلمان اس مجاہدے کے لیے خود کو تیار کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لیے نیکی اور بھلائی کی راہیں آسان بنا دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

[العنکبوت: ٦٩]

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ضرور انھیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یہ بات انتہائی مشکل ہے کہ مسلمان ذاتی تربیت کی دشواریوں کا بغیر اس کی لازمی شرطوں کے اکٹھا کیے اور مناسب ماحول تیار ہوئے ادراک کرسکے۔

واجبات کی ادائیگی اور برائیوں کے ترک کرنے کے لیے نفس سے جہاد کرنا، اسے

سنتوں اور اطاعتوں کی بجا آوری کا عادی بنانا اور اللہ و آخرت سے گہرا تعلق پیدا کرنا بڑا مشکل امر ہے، کیونکہ اللہ کے احکام پر ثابت قدمی اور کمال تزکیہ کے حصول کا راستہ تکلیفوں، پریشانیاں اور مشقتوں سے گھرا ہوا ہے، اس راستے میں ہر ہر قدم پر مسلمان کے گھر میں لگے ہوئے دشمن برائی کرانے اور گمراہ کرنے کے لیے کھڑے ہیں، وہ دشمن ہیں خواہشات، شیطانی برائی پر ابھارنے والا نفس، اگر مسلمان پوری تندہی کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑنے، ان سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا تو بڑی آسانی سے ان کے سامنے تربیت کے پہلے ہی قدم میں شکست کھا جائے گا، یا اپنی رفتار سست کر کے اعلیٰ درجات پر پہنچنے سے قاصر رہے گا۔

اس موضوع کے تعلق سے کچھ ضروری باتوں کا ذکر کر دینا مناسب ہے:

۱۔ صبر و استقامت مجاہدے کا توشہ ہے

تربیت پر استمرار اور اسے تقویت دینے میں صبر سب سے بڑا ذریعہ ہے، جس شخص سے صبر نا پید ہو گیا وہ نفس سے جہاد کرنے میں کامیاب نہ ہو گا اور جس قدر نفس کا تعلق خواہشات و مرغوبات سے ہو گا اسی قدر آدمی کو اس سے جہاد کرنے اور اس کی سرکشی کے خلاف ڈٹے رہنے میں صبر کی ضرورت ہو گی، جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر نہ لگا دے۔[منهج الاسلام في تزكية النفوس/ لكرزون: ١/ ٣٧٨]

۲۔ مادی وسائل کی نہیں، پختہ عزم کی ضرورت ہے

عام طور پر ایک مسلمان جو اپنی اصلاح کا جذبہ رکھتا ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ حقیقی معنوں میں اصلاح کے عمل کو کامیاب بنانے کے لیے سب سے پہلے مادی وسائل ہونے چاہئیں، حالات اور خارجی ظروف سازگار ہونے چاہئیں اور وہ انھی پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی تربیت کو مؤثر بنانا چاہتا ہے، یہ سوچ غلط ہے اور یہ شیطانی وسوسہ ہے! حقیقت یہ ہے کہ اصلاحِ نفس کا حقیقی جذبہ دل کے اندر سے ابھرتا اور انسان کی کوشش اور اس کی کما حقہ

قیمت ادا کرنے سے آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

[العنكبوت: ٦٩]

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا ساتھی ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو مجاہدے پر معلق کر دیا ہے، تو سب سے زیادہ ہدایت یافتہ وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجاہدہ کرنے والا ہے، اور سب سے بڑا جہاد نفس، خواہشات، شیطان اور دنیا سے جہاد کرنا ہے، اب جس شخص نے اللہ کے لیے ان چار چیزوں سے جہاد کر لیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی خوشنودی کے راستوں کی ہدایت دے گا جو اسے جنت تک لے جائیں گے، اور جس نے جہاد ترک کر دیا اس سے جہاد چھوڑنے کی مقدار میں ہدایت فوت ہو جائے گی۔ [الفوائد، ص:٥٩]

۳۔ مجاہدے میں تدریج

نفس کی تبدیلی و اصلاح ایک صبح یا شام میں نہیں ہو جاتی، بلکہ بتدریج رفتہ رفتہ ہوتی ہے، انسان ان نیک اعمال اور مفید پروگراموں کو جسے میں نے اوپر ذکر کیا ہے ہر روز حسب استطاعت اپناتا رہتا ہے، چند دنوں کے بعد کوشش کرنے اور اخلاص نیت کے نتیجے میں اپنے نفس کا اس سے لگاؤ پائے گا اور مزید کا طالب ہوگا، اس وقت اس پر صرف اتنا ضروری ہوگا کہ تھوڑی تھوڑی نئی چیزوں کا اضافہ کرتا رہے اور اس پر ثابت قدم رہے، اس طرح ان شاء اللہ اپنے نفس، ایمان اور اخلاق میں مثبت تبدیلیاں اور ترقی پائے گا۔

اسی ایمانی حقیقت کی تاکید اس حدیث قدسی میں ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((وَاِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ

ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً))
[صحيح البخارى، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ويحذركم الله نفسه، ح:٧٤٠٥، صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء ، باب الحث على ذكر الله، ح: ٢٦٧٥]

''جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔''

کہا جاتا ہے کہ :''ایک ہزار میل کی مسافت ایک قدم سے شروع ہوتی ہے۔''اور ''قطرہ قطرہ مل کر ہی دریا بنتا ہے۔''

لہٰذا اے میرے مسلمان بھائی! آج ہی سے حسب استطاعت نیک اعمال شروع کر دیجیے، ان شا اللہ جلد ہی خوش آئند نتائج حاصل ہوں گے۔

۴۔ ہمیشہ بیدار رہیے

انسان کے لیے نفس، خواہشات اور شیطان سے مسلسل جہاد کرنا اور نیک اعمال سے ایک لمحہ بھی نہ رکنا بہت ضروری ہے، کیونکہ ایک لمحہ کی غفلت وسستی بسا اوقات زبردست ایمانی اور تربیتی خسارے میں ڈال دیتی ہے جس کی سرے سے تلافی ہو ہی نہیں سکتی، یا اگر تلافی ہو گی بھی تو بڑی مشکل سے۔ حکیم ترمذی فرماتے ہیں:

''اگر تم نفس کی ریاضت سے غافل ہو گئے تو اس بات سے مامون نہ رہو کہ جب تک شہوت زندہ اور خواہشات باقی ہیں اپنی پرانی عادتوں پر پلٹ آئے گی۔'' [اسرار مجاهدة النفس: ص ٨٤]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حقیقی مجاہدہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے لیے ہر حال میں بیدار رہے، کیونکہ

جب بھی غافل ہوگا شیطان اسے اور اس کے نفس کو برائیوں میں ڈال دے گا۔" [فتح الباری: ۱۱/ ۳۳۸]

۵۔ مجاہدے سے مستفید کون ہوگا؟

اے میرے مسلمان بھائی، بہن! کیا یہ بات کہنے کی ضرورت ہے کہ اگر آپ اپنے نفس اور دشمن سے جہاد کریں تو اس سے ہمیشہ آپ ہی مستفید ہوں گے اور آپ کے نیک اعمال کا اجر آپ ہی کی نیکیوں کے ترازو میں ہوگا، دوسرے کے نہیں!! تو اگر اس کا متوقع جواب ہاں ہے تو یہ سستی ولا پروائی، غفلت و راحت طلبی کیوں؟ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ یہ چند دن ہیں، پھر ساری تکلیف اور مشقت ختم ہو جائے گی اور ان شاء اللہ اجر وثواب پا کر مسرور ہوں گے۔

آٹھواں طریقہ | دعا

دعا مسلمان کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں وہ خود کو محفوظ و مامون رکھ سکتا ہے۔ اصلاحِ نفس میں بھی دعا کا بڑا اہم کردار ہے، کیونکہ جب تک مسلمان کو اللہ کی مدد و توفیق حاصل نہیں ہوگی تب تک وہ خود اپنی طاقت و ذہانت کی بدولت نہ تو کوئی نیکی سرانجام دے سکتا ہے اور نہ کسی برائی سے بچ ہی سکتا ہے۔ اس لیے اصلاحِ نفس کے تمام طریقوں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ جب تک اس طریقے کو اختیار نہیں کیا جائے گا، کامیابی کی امید رکھنا بے کار ہے۔ جیسے مریض کو صحت یابی کے لیے ڈاکٹر کی دی ہوئی دوا کے ساتھ ساتھ اللہ سے دعا کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص اپنی اصلاح کا امیدوار ہے اسے بھی اس کتاب میں ذکر کردہ علاج کے تمام طریقے استعمال کرنے کے ساتھ دعا کا سہارا بھی لینا ہوگا، تب ہی اس کی محنت، ریاضت اور جدوجہد رنگ لائے گی۔

دعا بندے کی اپنے رب کے سامنے خاکساری اور عاجزی کے اظہار کا نام ہے، یہ اپنی محتاجی کا اعتراف اور تمام طاقت و قوت سے سبک دوشی کا اعلان ہے اور اللہ کی طاقت و قوت اور اس کی قدرت و انعام کا اقرار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [غافر: ٦٠]

''اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ رَجُلٍ يَدْعُو اللّٰهَ بِدَعْوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ

إِيَّاهَا أَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ الشَّرِّ مِثْلَهَا مَا لَمْ يَدْعُ بِالْإِثْمِ أَوْ قَطِيعَةَ رَحِمٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : إِذَنْ نُكْثِرُ قَالَ: اَللّٰهُ أَكْثَرُ)) [مسند احمد: ۱۸/۳، المستدرك للحاكم: ٤٦٣/١ و صححه الحاكم ووافقه الذهبی ، الأدب المفرد: ۷۱۰، مسند الشاميين: ۱۸۲ وصححه الالبانی]

”اس روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان جب اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ اسے وہ چیز عطا کرتا ہے، یا اس جیسی مصیبت ٹال دیتا ہے، جب تک کہ وہ گناہ اور رشتہ داری کو ختم کرنے کی دعا نہ کرے۔“

ایک شخص نے کہا کہ ہم تو پھر بکثرت دعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ بھی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔“

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

((أَوْ يَدَّخِرُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَهَا)) [سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ١٣٦، ح: ٣٦٠٤/٣]

”یا اس دعا کے مثل اس کے لیے ثواب ذخیرہ کر لیتا ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

((أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ الدُّعَاءِ)) [الأدب المفرد : ١٠٤٢ وصححه الألبانی]

”سب سے عاجز وہ شخص ہے جو دعا سے عاجز ہو گیا ہو۔“

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ)) [سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب فی القدر، ح: ٩٠ وحسنه الألبانی]

”تقدیر کو صرف دعا ہی ٹال سکتی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے دعا اور تزکیہ کے درمیان بڑا واضح تعلق بیان فرمایا ہے اور دعا کو تزکیہ کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَخْلَقُ فِي جَوْفِ أَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ الْخَلِقُ، فَاسْأَلُوا اللَّهَ أَنْ يُجَدِّدَ الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِكُمْ))

[المستدرك للحاكم:٤/١ وصححه الالبانی فی الصحيحة:١٥٨٥]

''تمہارے دل میں ایمان اسی طرح پرانا ہوتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہوتا ہے، لہٰذا تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید فرمائے۔''

اور سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكَرْبِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ)) [سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة، ح:٣٣٨٢ وحسنه الألبانی]

''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ مشکلات و مصائب میں اللہ اس کی دعا قبول فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ خوشحالی میں کثرت سے دعائیں کرے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی شخص پر جو آفت و مصیبت آتی ہے وہ شکر کے ضائع کرنے اور اللہ کی بارگاہ میں دعا سے غفلت برتنے کے نتیجہ میں آتی ہے، اور جو بھی کامیاب ہوتا ہے وہ شکر کرنے اور اللہ کی بارگاہ میں سچی محتاجی ظاہر کرنے اور دعا کے نتیجے میں ہوتا ہے۔'' [الفوائد: ص ٢٣٣]

دعا سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم درج ذیل تجاویز کو نظر انداز نہ کریں:

۱۔ دعا کی حاجت

ہر مسلمان کے دل میں اس بات کا احساس ہونا بہت ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد،

توفیق اور ہدایت کے بغیر کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں اور یہ احساس کہ اللہ کی نصرت و تائید کے بغیر وہ دنیا و آخرت میں خسارہ اور نقصان اٹھائے گا۔ یہ احساس زندگی کے ہر لمحے اور ہر سانس میں موجود ہو اور اسے ہر وقت اور ہر لمحہ دعا کرنے پر ابھارے کہ اللہ اس کے نفس کی اصلاح فرما دے، اس کے ایمان و احسان کے درجات بلند فرما دے اور ہمیشہ اپنے ذکر و شکر اور عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ دعا کی قبولیت کے اوقات و اماکن

دعا کے افضل اوقات میں سے بعض یہ ہیں جن میں بطور خاص دعا کا التزام کرنا چاہیے، کیونکہ ان اوقات میں مانگی گئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے: رات کا تیسرا پہر، اذان کے وقت، اذان و اقامت کے درمیان، سجدے میں، بارش کے وقت، آبِ زم زم پیتے وقت اور جمعہ کے دن۔

بعض مقامات بھی دعا کی قبولیت کے ہیں جیسے کعبہ اور حطیم کے اندر، صفا و مروہ پر اور سفر میں دعا کرنا۔

۳۔ دعا کی قبولیت کی شرائط

دعاؤں کی قبولیت کے لیے ہمیں دعا کے آداب و شرائط کی تکمیل اور اس کے موانع سے دور رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مثلاً حلال کھانا، یقین کے ساتھ دعا کرنا، دعا کے وقت اللہ کی بارگاہ میں اپنی کمزوری اور تواضع کا اظہار، حضورِ قلب، تمام گناہوں سے توبہ اور صرف اللہ ربّ العزت سے خوف کھانا اور امیدیں وابستہ رکھنا۔

۴۔ قبولیت کے لیے جلدی مت کیجیے

بعض مسلمان اللہ سے بکثرت دعائیں کرتے ہیں مگر ان کی مراد جلد پوری نہیں ہوتی تو کیا یہ ان کے لیے جواز فراہم کرتا ہے کہ تھک کر دعا کرنا چھوڑ دیں؟ اگر کسی نے ایسا کیا تو شیطان اس عظیم عبادت کی بجا آوری سے شکست دلانے اور رسوا کرنے میں کامیاب ہو گیا،

اور اس نے مسلمان سے ایسا ہتھیار چھین لیا جو کبھی شکستہ نہیں ہونے دیتا۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلسل دعا کرتا رہے اور اسے کبھی ترک نہ کرے، کیونکہ وہ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ضرور کامیاب ہوگا، یا تو اللہ اس کی حاجت پوری کردے گا اور اس کی مراد عطا کردے گا، یا اس سے کوئی مصیبت ٹال دے گا، یا اس دعا کو اجر وثواب کی صورت میں ذخیرہ بنا دے گا۔

۵۔ دعاؤں میں دوسروں کو بھی یاد رکھیے

جس ہدایت و استقامت کی دعا اپنے لیے کریں وہی اپنے اہل وعیال، اقرباء، محسنین، مجاہدوں اور تمام مسلمانوں کے لیے کرنا نہ بھولیے، کیونکہ اس کے ذریعے اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے دعا کرنے کا اجر وثواب پائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ)) [صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، ح: ۲۷۳۲]

''کوئی بھی مسلمان بندہ جو اپنے بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی اسی جیسا ہو۔''

اصلاحِ نفس کے فوائد و ثمرات

اس بحث کے آخر میں ان بہترین فوائد کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا جن سے ہر مسلمان اپنے نفس کی اصلاح کرنے سے بہرہ ور ہوتا ہے، اس امید کے ساتھ انھیں یہاں ذکر کیا جارہا ہے کہ یہ ہمارے لیے اپنے نفس کی تربیت و اصلاح کے لیے مزید اہتمام کا باعث بنیں:

۱۔ اللہ کی رضا اور جنت کی کامیابی

مسلمان جب فرائض کی ادائیگی اور برائیوں سے اجتناب کر کے مکمل طور پر اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے تو وہ بلا شبہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور پھر جنت کی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں آخرت میں ہر مسلمان کی تمنا اور اس کی فرحت وسعادت کی انتہا ہوں گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [المؤمن: ٤٠]

”اور جس نے نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہوا تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور اس میں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔“

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ [الکھف: ١٠٧]

”جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے یقیناً ان کے لیے فردوس کے باغات کی مہمانی ہے۔“

ہر جنتی کا نفس کی تربیت و تزکیہ کے مطابق ہی جنت میں مرتبہ ہو گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّلِحٰتِ فَأُولَٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى﴾

[طه: ۷۵]

"اور جو بھی اس کے پاس ایمان کی حالت میں حاضر ہوگا اور اس نے اعمال بھی نیک کیے ہوں گے اس کے لیے بلند و بالا درجے ہیں۔"

۲۔ سعادت مندی اور اطمینان

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی انسان دلی سعادت اور اطمینانِ قلب کا متلاشی نہ ہو، لیکن اکثر لوگ اس کے حصول کے طریقے میں غلطی کرتے ہیں اور اس کے راستوں میں سرگرداں و پریشان ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ اسے کھانے پینے، شہوات و معاصی اور یہاں وہاں تلاش کرتے ہیں، چنانچہ ان کو صرف تھوڑے سے وقفہ کے لیے کھوکھلی اور ظاہری سعادت ہاتھ آتی ہے اور بھر پور مشقت اور لمبی عمر کے ضائع کرنے کے بعد حسرت و اندوہ لیے لوٹتے ہیں۔

اے سعادت کے متلاشی! آؤ ہم تمہیں سعادت مندی کا مختصر راستہ بتلاتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ کوشش اور وقت بھی فراہم کیے دے رہے ہیں، وہ صرف اللہ کی طرف پلٹنے سے مل سکتی ہے اور خود کو تمام اوامر کی بجا آوری اور تمام منہیات سے اجتناب کا عادی بنانے سے حاصل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾

[النحل: ۹۷]

"جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت، اور وہ مومن ہو تو ہم یقیناً اسے نہایت پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طه: ١٢٤]

''اور جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دنیا میں اس کی زندگی تنگ ہوگی، نہ تو اس کو اطمینان حاصل ہوگا اور نہ ہی وسعت صدر، بلکہ اس کی گمراہی کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ و کوتاہ ہو جائے گا، اگرچہ ظاہراً ناز و نعمت میں ہو، جو چاہے پہنے جو چاہے کھائے اور جہاں چاہے رہے۔'' [تفسير ابن كثير: ٣/ ١٦٨]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''زندگی صرف محبت کرنے والوں کی ہے جن کی آنکھیں ان کے حبیب کے دیدار سے ٹھنڈی ہوں گی، انھیں سکون اور اطمینانِ قلب حاصل ہوگا، اس کی قربت سے وہ مانوس ہوں گے، اس کی محبت سے لطف اندوز ہوں گے، دل کے اندر ایک ایسا خلا ہوتا ہے جو صرف اللہ کی محبت، اس کی جانب اقبال و رجوع کے ذریعے ہی سے پُر ہوتا ہے، اس کی پراگندگی اس کے بغیر زائل نہیں ہوسکتی اور جو شخص اس کو پانے میں کامیاب نہیں ہوا اس کی ساری زندگی رنج و غم حسرت و آلام کے سوا کچھ نہیں ہوگی۔'' [مدارج السالكين: ٣/ ٢٧٤]

دین پر عمل کرنے اور اپنی آخرت کو سنوارنے کی فکر میں لگے رہنے سے نہ صرف یہ کہ بندے کی آخرت بن جاتی ہے، وہ دنیاوی طور پر بھی اللہ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ

شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ)) [سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق، ح:٢٤٦٥ صححه الألبانی]

"جس شخص کا مطمح نظر آخرت میں حصول انعامات ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے معاملات کو منظم کردے گا اور اس کے دل کو اطمینان بخشے گا اور اس کو دنیوی فوائد سے بہرہ ور کرے گا، جبکہ وہ ان فوائد کو حقیر سمجھے (تاہم) جس شخص کا مقصود صرف دنیا ہو، اللہ تعالیٰ اس پر اس کے معاملات منتشر کردے گا اور اس کے چہرے پر پریشانی ڈال دے گا اور اس کو دنیوی فوائد سے بہرہ ور نہیں کرے گا، سوائے اس کے کہ جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے۔"

۳۔ لوگوں کی محبت اور ان میں مقبولیت

یہ مومن کے لیے دنیا ہی میں خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی اس سے محبت کرتا ہے، لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت پیدا فرما دیتا ہے اور اسے لوگوں میں مقبولیت عطا فرماتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی ایمان وتقویٰ اور عمل صالح پر تربیت کرتا ہے وہ اللہ کی محبت سے ہمکنار ہوتا ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے، حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

((وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ))

[صحيح البخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ح:٦٥٠٢]

"میرا بندہ مسلسل نوافل کی ادائیگی کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ [مريم: ٩٦]

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے عنقریب ان کے

لیے رحمٰن محبت پیدا کر دے گا۔"

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

((إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ العَبْدَ نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلاَنًا فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلاَنًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ القَبُولُ فِي الأَرْضِ)) [صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، ح:۳۲۰۹ و صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب اذا أحب الله عبدا حببه إلى عباده، ح:۲۶۳۷]

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، تو جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان سے ندا لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے اس لیے تم اس سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں بھی اس کی مقبولیت عام کر دی جاتی ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور ہیبت پیدا کر دیتا ہے، چنانچہ لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، نفس اس سے راضی رہتے ہیں اور محبت کے دیگر اسباب مثلاً: دوستی، رشتہ داری وغیرہ کے بغیر ہی لوگوں کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں...... اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے اس کے دشمنوں کے دلوں میں اس کا رعب، دبدبہ اور ہیبت طاری فرما دیتا ہے۔

۴۔ دنیا و آخرت کی کامیابی

اللہ کے احکام پر ثابت قدمی اور اس کی اطاعت پر نفس کی تربیت کی برکت یہ ہوتی

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روز مرہ کی زندگی میں کامیابی و کامرانی مقرر کر دیتا ہے۔اس کے بیوی بچے، پڑوسی، رشتہ دار، دوست احباب اور جن کے ساتھ اس کے تجارتی معاملات ہوتے ہیں، سب اس کے ساتھ تعاون کرنے لگتے ہیں اور اس کا خیال رکھنے لگتے ہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی زندگی کسی دنیاوی نقصان یا گناہوں میں واقع ہونے سے بالکل محفوظ ہوجاتی ہے، ہرگز نہیں، بلکہ وہ بھی ایک انسان ہے دوسرے لوگوں کی طرح اس سے بھی کوتاہی، غفلت یا بھول چوک ہوسکتی ہے، مگر دونوں میں بڑا فرق ہے، اس کی زندگی میں توفیق و اصلاح غالب ہے، اور دوسرے کی زندگی میں ناکامی اور کوتاہی کا پہلو غالب ہوتا ہے۔

۵۔ ہر بری اور ناپسندیدہ چیز سے حفاظت

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا کی عام مصیبتوں، ناپسندیدہ چیزوں اور شیطان یا لوگوں کے برے ارادوں سے اس کی حفاظت فرماتا ہے، یہاں تک کہ حیوانات اور کیڑوں مکوڑوں کی تکالیف سے بھی بچاتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [الحج:۳۸]

''بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی طرف سے دفاع کرتا ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ کا دفاع ان کی ایمانی قوت اور کمال کے مطابق ہوتا ہے، اور ایمان کی قوت و پختگی اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ جس شخص کا ایمان کامل ترین ہوگا اور زیادہ ذکر کرنے والا ہوگا اللہ کا اس کی طرف سے دفاع اتنا ہی عظیم ہوگا۔'' [الوابل الصیب من الکلم الطیب: ص ۷۰]

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس متقی اور پرہیزگار آدمی کے کان، آنکھ اور اس کی عقلی و جسمانی قوت کی حفاظت جوانی اور بڑھاپے دونوں میں کرتا ہے۔

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے بچپن اور قوت کی حالت میں یاد رکھا اللہ تعالیٰ اس کی بڑھاپے اور کمزوری میں حفاظت کرے گا اور اس کی قوت سماعت، بصارت، قوت و طاقت اور عقل محفوظ رکھے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک عالم تھے جن کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی، لیکن ان کی قوت و عقل بحال تھی، ایک روز انھوں نے زور دار چھلانگ لگائی، کسی شخص نے ان کو ملامت کیا اور کہا کہ بڑھاپے میں یہ حرکتیں اچھی نہیں لگتیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ ان اعضاء کو ہم نے بچپن میں برائیوں سے محفوظ رکھا تھا اس لیے اللہ نے اسے بڑھاپے میں ہمارے لیے محفوظ رکھا ہے۔'' [جامع العلوم والحكم، ص: ١٦٣]

یہی بات نبی کریم ﷺ نے اپنی حدیث میں بیان فرمائی ہے:

((اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ)) [سنن الترمذي، كتاب صفة القيامة، باب ٥٩، ح:٢٥١٦ وصححه الألباني]

''اللہ (کے احکام) کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمھیں محفوظ رکھے گا، اللہ (کے احکام) کا خیال رکھو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔''

٦۔ وقت اور مال میں برکت

ہر انسان دن میں چوبیس گھنٹے کا مالک ہوتا ہے، لیکن ان چوبیس گھنٹوں کو گزارنے والے دو طرح کے ہیں۔ ایک شخص اپنے نفس کی تربیت کے لیے کوشاں رہتا ہے اور اس وقت سے مفید اور نفع بخش کاموں میں استفادہ کرتا ہے، خود مستفید ہوتا ہے یا دوسروں کو مستفید کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو اسے ضائع کر دیتا ہے اور ایسے کام میں صرف کر دیتا ہے جس سے نہ تو اس کا فائدہ ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے کا۔ اب اگر رات کو آپ اس سے سوال کریں کہ اس نے کتنی نیکیاں اور بھلائیاں کی ہیں تو اس کا جواب صفر ہوگا۔

یہی حال مال کا بھی ہے کہ ایک صالح آدمی اپنا مال رفاہی کاموں اور نیکی کے راستوں

میں خرچ کر کے بھرپور استفادہ کرتا ہے، اس کے برعکس دوسرا شخص برائیوں، گناہوں، شہوتوں اور لذتوں میں خرچ کرتا ہے جو دنیا میں بھی اس کے لیے وبال جان بنتا ہے، مختلف امراض و مصائب سے دو چار ہوتا ہے یا اسے جیل کی سلاخوں میں پہنچا دیتا ہے اور آخرت کا حساب اور عقاب تو الگ ہی ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ وقت اور مال کو اللہ کی مرضی کے مطابق صرف کرنے والے ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ درج ذیل حدیث میں دنیا میں موجود مختلف قسم کے لوگوں کی حالت اور ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ، عَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالاً وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ، وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ، وَيَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا، فَهَذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالاً فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالاً لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللَّهُ مَالاً وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا، فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ، وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ، وَلَا يَعْلَمُ لِلَّهِ فِيهِ حَقًّا، فَهَذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللَّهُ مَالاً وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالاً لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ)) [سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء مثل الدنیا مثل اربعة نفر، ح: ٢٣٢٥ وصححه الألبانی]

”دنیا میں چار قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ مال بھی دے اور علم بھی۔ وہ ان میں اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق جانتا ہے۔ یہ آدمی سب سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے۔ دوسرے وہ بندے جسے

اللہ نے علم تو دیا ہے، لیکن مال نہیں دیا۔ وہ نیت کا سچا ہے اور کہتا ہے: اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں آدمی جیسے کام کرتا۔ اسے اس کی نیت کے موافق اجر ملے گا۔ اور یہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ تیسرا وہ ہے جسے اللہ نے مال تو دیا ہے، لیکن علم نہیں دیا۔ وہ بغیر علم کے، سوچ سمجھے بغیر اپنے مال میں تصرف کرتا ہے۔ نہ اس میں اللہ سے ڈرتا ہے اور نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ اس میں اللہ کا حق جانتا ہے۔ یہ شخص سب سے بڑے مرتبہ پر ہے اور چوتھا وہ جسے اللہ نے نہ مال دیا نہ علم۔ وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں آدمی جیسے کام کرتا۔ ایسے شخص سے اس کی نیت کے مطابق سلوک ہوگا اور گناہ کے بوجھ میں دونوں برابر ہیں۔"

۷۔ مصائب وآلام کو برداشت کرنے کی ہمت

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی کو ایک ہی حالت یعنی صرف خوشحالی، مالداری اور عافیت سے بھر پور ہی نہیں بنایا بلکہ یہاں ہر کسی کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ زندگی میں بے شمار پریشانیوں، مشقتوں اور مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی بہت سی حکمتیں ہیں، مثلاً: یہ غیر مستقل حالات لوگوں کو اللہ کی جانب متوجہ رہنے پر آمادہ کرتے ہیں، تاکہ وہ نیک اعمال کے ذریعے جنت کے طلبگار ہوں اور فردوس بریں میں انھیں راحت اور اطمینان حاصل ہو۔

چنانچہ صالح مسلمان ان مصیبتوں اور پریشانیوں میں صابر و شاکر ہوتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ پریشانیاں اس کے گناہوں کو مٹاتی اور درجات بلند کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۵۵]

’’اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔‘‘

اور حدیث میں ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) [صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب المومن أمره كله خير، ح:٢٩٩٩]

’’مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے اس کا ہر کام اس کے لیے اچھا ہے اور یہ صرف مومن کے لیے ہے، اگر اسے تونگری ملتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، تو یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے فقر و فاقہ لاحق ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔‘‘

۸۔ اطمینانِ قلب

اس دنیا میں ہر انسان کو ہر چہار جانب سے خوف و ہراس گھیرے ہوئے ہے، ہر طرف سے غم و اندوہ کا غلبہ ہے، ذرا دیکھیے تو سہی وہ ماضی کے بارے میں نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کے لیے فیصلہ کیا ہے اور مستقبل کا بھی اسے علم نہیں کہ اللہ اس کے لیے کیا فیصلہ کرے گا......!

لیکن مومن بندے کو اس خوف و ہراس کا احساس نہیں ہوتا، نہ ماضی، نہ حال اور نہ مستقبل کے بارے میں، کیونکہ اسے اپنے تمام گناہوں کے بارے میں اللہ کی رحمت و مغفرت اور معافی کی امید ہوتی ہے اور اللہ نے اسے جتنا رزق عطا کیا ہوتا ہے وہ اسی پر مطمئن اور قانع ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ اپنی موت پر ایمان رکھتا ہے، اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی مقدم و موخر نہیں ہو سکتی، وہ تمام شرعی

اسباب اپنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر ایمان رکھتا اور اس پر راضی و مطمئن رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اسی میں بھلائی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

[الاحقاف: ١٣]

”بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

نیز فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾

[الفتح: ٤]

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی، تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں بڑھ جائیں۔“

”یہ سکون دل کی زندگی ہے، ایسا نور ہے جس سے وہ منور ہوتا ہے، اس کے لیے یہ بیداری کا سامان ہے اور ایسی قوت ہے جو پریشانیوں کے وقت اسے تقویت و عزیمت بخشتی ہے اور مشکلات میں ثابت قدم رکھتی ہے اور جزع فزع اور گھبراہٹ کے وقت نفس کو کنٹرول کرتی ہے اسی لیے اس سکینت سے مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔“[مدارج السالکین/ لابن القیم: ٢/ ٥٠٧]

اس حقیقت کی تاکید کے لیے ہم سلف صالحین کی تاریخ سے ایک مثال پیش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سچی عبودیت اور مشقتوں کے وقت سکون نفس کی انوکھی مثال ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ دمشق کے قلعہ میں اپنے شاگرد رشید امام ابن قیم رحمہ اللہ کے ساتھ قید کر دیے گئے۔ ابن قیم رحمہ اللہ اپنے شیخ کے متعلق فرماتے ہیں:

”ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے دشمن میرے ساتھ کیا کر سکتے

ہیں؟ میری جنت میرے سینے میں ہے، جہاں کہیں بھی جاؤں یہ مجھ سے جدا نہیں ہوتی، یہ قید میری خلوت ہے، میرا قتل مجھے شہادت کا درجہ عطا کرے گا اور اگر شہر سے نکال دیا جاؤں تو زمین میں سیاحت کروں گا!! جیل کے اندر وہ سجدے میں فرماتے تھے: اے اللہ! اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔" [الوابل الصيب من الكلم الطيب: ص ٦٦ـ ٦٧]

انھوں نے ایک بار مجھ سے فرمایا: "قیدی وہ ہے جس کا دل اس کے رب کی طرف سے مقید ہو اور محبوس زنداں وہ ہے جس کی خواہشات نے اسے قید کر لیا ہو۔"

یہ وہ بعض ذرائع ہیں جو ایک مسلمان کو اپنی اصلاح کرنے میں کام دے سکتے ہیں اور بعض فوائد و ثمرات کا تذکرہ ہے جو اس کے صلے میں اسے دنیا و آخرت میں حاصل ہوتے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ ان کلمات کے ذریعے سے ہر پڑھنے والے کو فائدہ پہنچائے اور ہمیں خلوص کے ساتھ نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ،

وَ صَلَّى اللّٰهُ وَ سَلَّمَ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهِ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

آیئے! اپنا محاسبہ کیجیے

اپنے آپ سے سوال کریں کہ جس مقصد کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے کیا ہم اس کو پورا کر رہے ہیں یا نہیں؟

نیچے ایک سوالنامہ دیا جا رہا ہے۔ اپنے آپ سے سوال کریں اور اس کا جواب دیں کہ آپ اپنی اصلاح میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اور کتنی اصلاح کی گنجائش ابھی باقی ہے۔ ان شاءاللہ ان جوابات کی روشنی میں آپ کو اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی، گناہ کا احساس پیدا ہوگا اور نیکیاں کرنے کا جذبہ بیدار ہوگا۔

☆ کیا آپ نے قبرستان کی زیارت کی، اور لذتوں کو ختم کر دینے والی موت کو یاد کیا، اور موت کے لئے تیاری کی؟

☆ کیا آپ نے غصہ اور انتقام کی آگ کو پی لیا اور غلطی کرنے والے کو معاف کر دیا؟

☆ کیا آپ نے دوسروں کے عیوب کو دیکھ کر اپنے عیوب کی اصلاح کرنے کی کوشش کی؟

☆ کیا آپ نے پرہیز گار اور متقی بننے کے لئے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا؟

☆ کیا تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے آپ کے دل پر کپکپی طاری ہوئی یا آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے؟

☆ کیا آپ نے کسی کو دعوت الی اللہ دیتے ہوئے اس پر محنت اور جدوجہد کی؟

☆ کیا آپ نے نئی زندگی گزارنے کا عزم کیا جو اسراف سے پاک اور کمال تک پہنچی ہوئی ہو؟

☆ کیا آپ نے اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنے سے بچایا اور اس وقت میں کچھ علم سیکھا یا احادیث یاد کیں؟

☆ کیا آپ نے ہر جاننے والے یا نامعلوم شخص کو سلام کیا؟

☆ کیا آپ نے والدین سے حسن سلوک کیا اور صلہ رحمی کی یا اپنے دینی بھائی کی زیارت کی؟
☆ کیا آپ نے اچھی خبر سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ شکر کیا؟
☆ کیا آپ نے دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کروائی ؟
☆ کیا آپ نے کسی فقیر کو صدقہ دیا یا کسی بھی اچھے کام کے لئے صدقہ کیا؟
☆ کیا آپ نے اپنے کیے ہوئے تمام وعدے پورے کر دیے ہیں؟
☆ کیا آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا؟
☆ کیا آپ نے اللہ کے لئے نفلی روزہ رکھا خصوصاً سوموار اور جمعرات کا؟
☆ کیا آپ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ دعوت الی اللہ کے لئے بیٹھے اور ان کو مفید چیزیں سکھلائیں؟
☆ کیا آپ نے کسی مریض کی عیادت کی اور اس کے لئے صحت کی دعا کی؟
☆ کیا آپ نے اسلام کے غم کو محسوس کیا اور مسلمانوں پر آنے والی مصیبتوں سے متاثر ہوئے؟
☆ کیا آپ نے موت کے آنے سے پہلے پہلے حج یا عمرہ کرنے کا عزم مصمم کیا؟
☆ کیا آپ نے اپنے مسلمان بھائی کو کوئی ایسی خوشخبری سنائی جس سے وہ خوش ہو؟
☆ کیا آپ نے تمام نمازیں باجماعت ادا کیں اور پہلی صف پر کھڑا ہونے کی کوشش کی؟
☆ کیا آپ نے غور وفکر اور تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی؟
☆ کیا آپ نے نفل نماز خصوصاً سنن راتبہ، وتر اور نماز اشراق پڑھنے کا اہتمام کیا؟
☆ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے دعا کی؟
☆ کیا آپ نے خضوع وخشوع سے نماز ادا کی اور شیطان سے جہاد کرتے ہوئے نماز میں وساوس کو دور کیا؟
☆ کیا آپ نے صبح وشام کے اذکار کی حفاظت کی اور تمام نمازوں کے بعد اذکار پڑھے؟
☆ کیا آپ نے کھانا کھاتے، کپڑا پہنتے، صفائی کرتے اور ہر اچھا کام کرتے وقت دائیں جانب کا خیال رکھا؟

☆ کیا آپ بڑے لوگوں کی مجلس سے دور رہے، الا یہ کہ ان کو دعوت دینا مقصود ہو؟

☆ کیا آپ نے مسواک کی، خصوصاً نمازوں اور وضو کے وقت اس کا اہتمام کیا؟

☆ کیا آپ نے رات کو سونے سے قبل اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور سوتے وقت آپ کا دل لوگوں سے حسد کرنے سے صاف تھا؟

☆ کیا آپ نے اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کا خوف ذہن میں رکھا اور تمام اعمال خالصتاً ایک اللہ کے لیے کیے؟

☆ کیا آپ نے مؤذن کی آواز کا جواب دیا، تا کہ شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق ہو سکیں؟

☆ کیا آپ نے اپنے آپ کو فضول بات، فضول کھانے، فضول نظر، فضول ہنسی اور فضول نیند سے بچایا؟

☆ کیا آپ نے اپنی زبان کو حرام امور خصوصاً غیبت سے روکا؟

☆ کیا آپ نے اپنی آنکھ اور اپنے کان کو حرام امور کے دیکھنے یا سننے سے بچایا؟

☆ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دین پر ثابت قدمی، جنت میں دخول اور جہنم سے نجات کی دعا کی؟

☆ کیا آپ نے نعمت اسلام، صحت، مال و دولت اور اولاد عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا؟

☆ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور اسی سے مدد مانگی اور اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا؟

☆ کیا آپ نے کسی کی کمر پیچھے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، تا کہ فرشتے آپ کے لئے دعا کریں؟

☆ کیا آپ نے لوگوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے تواضع و انکساری سے کام لیا؟

☆ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کیا اور اللہ کی بادشاہت کے متعلق سوچا؟

☆ کیا آپ نے اپنے تمام شکوے اللہ سے ہی کیے اور غیر اللہ سے کوئی شکوہ شکایت نہیں کیا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اصلاح اور محاسبہ نفس کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین